شیطانیاں

ڈاکٹر محمد یونس بٹ

۲۰۰۰ء

• کچھ مجازی خدا کے بارے میں

میرا دوست "ف" کہتا ہے اگر کوئی مجھ سے پوچھے کہ اس دنیا کا سب سے پہلا مہذب جانور کون سا ہے تو میں کہوں گا "خاوند" میں نے پوچھا "دوسرا مہذب جانور؟" تو جواب ملا "دوسرا خاوند"

خاوند کو اردو میں عورت کا مجازی خدا اور پنجابی میں عورت کا بندا کہتے ہیں۔ جب کہ گھر میں اسے کچھ نہیں کہتے۔ جو کچھ کہتا ہے وہی کہتا ہے۔ سارے خاوند ایک جیسے ہوتے ہیں صرف ان کے چہرے مختلف ہوتے ہیں تا کہ ہر کسی کو اپنا اپنا خاوند پہچاننے میں آسانی ہو۔ ہر خاوند یہی کہتا ہے کہ مجھ جیسا دوسرا خاوند پوری دنیا میں نہیں ملے گا اور عورت اسی امید پر دوسری شادی کرتی ہے مگر اسے ہر جگہ کوئی دوسرا نہیں ملتا خاوند ہی ملتا ہے۔

عورت مرد کا اس دنیا کا سب سے پہلا رشتہ خاوند بیوی ہی کا ہے اور پھر طوفان نوح سے اس دنیا کے ہر جاندار کا صرف یہی رشتہ بچا تھا۔ مختلف ادوار میں انسان ہر براعظم پر مختلف صورتوں میں پایا جاتا رہا لیکن وہ صورت جو ہر دور میں بکثرت ملتی رہی وہ خاوند ہی ہے۔ پھر یہی تو وہ چور دروازہ ہے جس کے رستے انسان مجازی خدا بن جاتا ہے۔

"ف" کہتا ہے انسان شادی خدا بننے کے لیے نہیں باپ بننے کے لیے کرتا ہے۔ شاید اسی لیے ماشاء اللہ "ف" کے گھر میں ہر جنس کا بچہ ہے یعنی پورے تین بچے ہیں ویسے میرے خیال میں بیوی کا اصل بچہ تو خاوند ہوتا ہے جو کبھی بڑا نہیں ہوتا۔ مرد دنیا میں دوبار یتیم ہوتا ہے ایک بار جب اس کی ماں فوت ہوتی ہے۔ اور دوسری بار اس وقت جب اس کے بچوں کی ماں فوت ہوتی ہے۔ خاوند پالنا اس قدر مشکل ہے کہ

پوری دنیا میں ایک عورت بھی ایسی نہ ہو گی جس کے ایک وقت میں ایک سے زیادہ خاوند ہوں جبکہ ہمارے ہاں تو ایک خاوند کو چار چار بیویاں مل کر پالتی ہیں اور یہی نہیں خاوند پالنا وہ کام ہے کہ صرف یہی ایک کام عورت کر لے تو اسے جنت مل سکتی ہے۔ خاوند خود کو مجازی خدا سمجھتا ہے اسی لیے بیوی اس کی خاطر دن رات ایک بھی کر دے وہ پھر بھی کبھی "شکریہ" نہیں کہتا کیونکہ خدا چاہے مجازی ہی کیوں نہ ہو وہ یہ لفظ نہیں کہہ سکتا۔

بچے پالنے اور خاوند پالنے میں یہ فرق ہے کہ بچوں کو سمجھانا مشکل ہوتا ہے اور خاوند کو سمجھنا۔ بچے گھر سے باہر جائیں تو ان کے رستہ بھولنے کا اتنا ڈر نہیں ہوتا جتنا خاوند باہر جائے تو اس کا ہوتا ہے۔ بچوں کا احترام ہمارے ہاں زیادہ ہوتا ہے۔ آج ہم اتنا خدا کے آگے نہیں جھکتے جتنا بچوں کے آگے جھکتے ہیں۔ آپ جھکے بغیر تو انہیں تھپڑ بھی نہیں مار سکتے۔

دنیا میں جنت بنانے کی پہلی کوشش شداد نے نہیں کی بیوی نے کی کہ وہ جنت کو گھر نہ بنا سکی تو گھر کو جنت بنانے کی کوشش کرنے لگی۔ گھر وہ سلطنت ہے جس کی حکمران بیوی اور عوام خاوند ہوتا ہے۔ خاوند کو عوام شاید اس لیے کہتے ہیں کہ عوام کا جب دل چاہے اپنا نیا حکمران منتخب کر لیتی ہے۔ حکمران نئی عوام منتخب نہیں کرتا۔

اچھا خاوند وہ ہوتا ہے جو وہ کہے جو بیوی سننا چاہتی ہے اور اچھی بیوی وہ ہوتی ہے جو وہ سنے جو اس کا خاوند نہیں کہنا چاہتا۔ خاوند کی ایک بات میں کئی مطالب اور بیوی کی ایک بات میں کئی مطالبات ہوتے ہیں۔ بیوی نوجوانی میں آیا ذرا عمر ڈھلے تو ساتھی اور بڑھاپے میں خاوند کی نرس ہوتی ہے۔

جوان اور بوڑھے خاوند میں یہ فرق ہوتا ہے کہ جوان خاوند کی پہلی بیوی ہوتی ہے اور بوڑھے خاوند کی آخری۔ خاوند کبھی اپنی بیوی کا آئیڈیل نہیں ہوتا اور جو بیوی کا آئیڈیل ہوتا ہے وہ کبھی اس کا خاوند نہیں ہوتا۔ دنیا کی کوئی بیوی اپنے خاوند سے عقل مند

نہیں ہوتی کیونکہ اگر وہ عقل مند ہوتی تو بیوقوف سے شادی کیوں کرتی۔ خاوند اچھا عاشق بھی ہو سکتا ہے بشرطیکہ بیوی کو پتا نہ چلے۔

گھر میں زیادہ وقت فرنیچر اور خاوند کو جھاڑنے پونچھنے اور ان کو ان کے مقام پر رکھنے میں گزرتا ہے۔ شادی سے پہلے عورت کے پاس گھر گرہستی کا تجربہ ہوتا ہے اور مرد کے پاس مہینے کی تنخواہ۔ جبکہ شادی کے بعد عورت کے پاس مہینے کی تنخواہ ہوتی ہے اور خاوند کے پاس تجربہ۔ خاوند چاہتا ہے اس کی بیوی وہ نہ کرے جو جو وہ چاہتا ہے کہ ہمسائے کی بیوی کرے۔

اعداد و شمار بتاتے ہیں دنیا میں جتنے حادثے گھر میں ہوئے' اتنے آج تک کسی سڑک پر نہیں ہوئے۔ یوں بھی سڑک کے حادثے میں بال بال بچ سکتے ہیں مگر گھر کے حادثے میں بال نہیں بچتے۔ بیوی کے آنے سے چھوٹا سا گھر بھی اتنا بڑا ہو جاتا ہے کہ خاوند کو بلانے کے لیے بھی بیوی کو یوں پکارنا پڑتا کہ وہ بعد میں سنتا ہے' محلے والے پہلے سن لیتے ہیں۔ ویسے بھی گھر یا تو اتنا چھوٹا ہونا چاہیے کہ لڑائی جھگڑے کے لیے جگہ نہ ملے اور یا اتنا بڑا کہ لڑائی جھگڑے کا موقع نہ ملے۔ بیوی گھر میں نہ رہے تو گھر چلانا مشکل ہوتا ہے اور خاوند گھر میں رہے تو پھر بھی گھر چلانا مشکل ہوتا ہے۔ اس کے باوجود آج کے ایٹمی دور میں بھی گھر کی بنیادی ضروریات پوری کرنے کے لئے مارکیٹ میں کوئی ایسی چیز موجود نہیں جو خاوند سے بہتر ہو۔ نقل و حمل کے لئے بھی خاوند سب سے بہتر ہے یہاں نقل اور حمل سے مراد وہ نہیں جو آپ سمجھ رہے ہیں۔

اگر آپ یہ فہرست بنانا چاہیں کہ خاوند کو کیا کیااور کون کون برا لگتا ہے؟ تو آپ یہ فہرست بنالیں کہ اس کی بیوی کو کیا کیا اور کون کون اچھا لگتا ہے۔ وہ تو اگر صبح شام خوشی خوشی بیوی کے ساتھ سیر کو نکلتا ہے تو یقین کر لیں یہ اسے بیوی نے نہیں ڈاکٹر نے کہا ہو گا۔ جن باتوں سے بیوی روکے اگر خاوند رک جائے تو سمجھ لیں وہ بیوی کی بات کو ذرا اہمیت نہیں دیتا اگر اہمیت دیتا تو اس کے الٹ کرتا۔ اگر بیوی نے اس

کے سامنے کسی اور کی تعریف کی اور اسے غصہ نہیں آیا تو یقین کر لیں وہ بہرا ہے۔
اگر بیوی کی آرام گاہ میں آ کر خاوند جھنجوڑ کر نہ اٹھائے تو سمجھ لیں بیوی آخری آرام گاہ میں ہے۔
میں تو کہتا ہوں آپ مجھے ایک خاوند دکھا دیں' میں آپ کو ایک خداوند دکھا دوں گا۔
میاں بیوی کا کوئی بھی جھگڑا ہو دراصل وہ عورت اور مرد کا جھگڑا ہوتا ہے۔ کچھ معاملوں میں خاوند بیوی سے زیادہ عقل مند ہوتا ہے اور باقی معاملوں میں بیوی خاوند سے کم عقل مند ہوتی ہے۔ وہ کام جو خاوند بیوی کے تعاون سے ایک دن میں ختم کر لیتا ہے اگر بیوی تعاون نہ کرے تو آدھے دن میں ختم کر سکتا ہے۔ اسی لیے عاشقوں نے جو جو کام محبوبہ کو حاصل کرنے کے لیے کیے ان میں سے آدھے بھی محبوبہ ملنے کے بعد نہ کر سکے۔
انسان خاوند بننے کے لیے جتنی کوششیں کرتا ہے اس سے آدھی خاوند رہنے کے لیے کرتا تو حالات بالکل مختلف ہوتے۔ اس دنیا میں سب سے عظیم قربانیاں انسان نے خاوند بننے کے لیے دیں۔ جتنے عاشقوں نے جانیں دیں' بادشاہوں اور سامراجوں سے ٹکریں لیں تاج ٹھکرائے' دودھ کی نہریں نکالیں' صرف اور صرف خاوند بننے کے لیے ...... لیکن "ف" کہتا ہے "اس سے بڑی قربانی تو عورت دیتی ہے جو شادی صرف اس لیے کرتی ہے کہ سارے مردوں کی توجہ کے بجائے صرف ایک مرد کی بے توجہگی حاصل کر سکے۔" کیونکہ شوہر بیوی کو صرف اس وقت توجہ دیتا ہے جب اسے اس پر شک ہو۔
وہ شادی سے پہلے کہتا ہے میں تمہاری خاطر چاند ستارے لے کر آؤں گا اور واقعی شادی کے بعد وہ صبح کا نکلا آسمان پر چاند ستارے لا کر ہی گھر لوٹتا ہے۔ بیوی خوبصورت نہ ہو تو خاوند دائیں بائیں دیکھنے لگتا ہے اور اگر خوبصورت ہو تو چاروں طرف دیکھنے لگتا ہے۔
میں تو کہتا ہوں بیوی ہزار نعمت ہے لیکن "ف" کہتا ہے بیوی ایک ہی تو نعمت ہے۔
پڑھی لکھی ہو گی تو کتابوں کی "روشنی" میں کام کرے گی۔ وہ تو انڈا تک کتابوں

کی "روشنی" میں ابالے گی۔ ہر بیوی روز خاوند سے یہی کہتی ہے جو حضرت حوا نے حضرت آدم علیہ السلام سے کہا تھا کہ میرے پاس پہننے کو کچھ نہیں ہے "ف" کہتا ہے "میری بیوی تو روپے پیسے کو ہاتھ کی میل سمجھتی ہے" میں نے کہا "اس میں کون سی پریشانی والی بات ہے؟" کہنے لگا "پریشانی یہ ہے کہ وہ انتہا کی صفائی پسند ہے۔"

بیوی کی آدھی زندگی خاوند کی تلاش اور باقی آدھی اس کی تلاشی میں گزر جاتی ہے۔

کبھی خاوند کے کیئے کی سزا بیوی کو ملتی ہے تو کبھی خاوند کو کیئے کی سزا بیوی کو ملتی ہے۔

بیوی دن میں کم از کم ایک بار ضرور ناراض ہوتی ہے اور خاوند ایک بار میں کم از کم ایک دن ضرور ناراض رہتا ہے۔

اگر بیوی آپ کا خیال نہیں رکھتی تو اس کا مطلب ہے اسے آپ پر مکمل اعتماد ہے اور اگر بہت خیال رکھنے لگی ہے تو اسے آپ پر شک ہے۔ ویسے بھی خوشی مل جل کر رہنے کے لیے ضروری ہے کہ کبھی خاوند بیوی سے معافی مانگ لے اور کبھی بیوی کو چاہیے کہ خاوند کو معاف کر دے۔

"ف" کہتا ہے بیوی کے لیے تو خاوند ہی پوری دنیا ہوتا ہے اسی لیے جب وہ اسے کوئی بات سنا رہی ہو تو لگتا ہے پوری دنیا کو سنا رہی ہے۔ وہ ایک ہی بات اتنی بار کرتی ہے کہ بندے کو بات بھول جاتی ہے' بار یاد رہتی ہے۔ بیوی محبت سے دیکھ بھال کرتی ہے اور خاوند دیکھ بھال کر محبت کرتا ہے۔

اگر کوئی مجھ سے پوچھے کہ میرا پسندیدہ اداکار کون ہے تو میں سوچے سمجھے بغیر کہوں گا "خاوند" "ف" کہتا ہے "ٹھیک ہے کیوں کہ سوچے سمجھے بغیر بندہ ایسا ہی جواب دے سکتا ہے" بہر حال یہ حقیقت ہے کہ دنیا میں اگر کوئی کہانی کار ایسا ہے جس نے اپنی آج کی کہانی کل نہیں دہرائی تو وہ خاوند ہے۔ پھر کہانی کا انداز ایسا کہ آپ اندازہ نہیں کر سکتے۔ لیکن کہتے ہیں خاوند بیوی کی نسبت بہت کم جھوٹ بولتا ہے جس کی بظاہر وجہ تو یہی ہے کہ بیوی کی نسبت کم بولتا ہے۔

بیوی گلاب کا پھول ہے تو زبان اس پھول کا اکلوتا کانٹا۔ کسی مرحوم مفکر کا قول ہے کہ انسان کو ہر ممکن خاوند بننے کی کوشش میں لگے رہنا چاہیے۔ اس قول سے خاوند بنتے رہنے کی وجہ سمجھ میں آئے نہ آئے مفکر کے مرحوم ہونے کی وجہ سمجھ میں آ جاتی ہے۔ وہ بیماری جس میں مبتلا شخص شادی کے قابل نہیں رہتا' اس بیماری کو غربت کہتے ہیں۔

کامیاب ازدواجی زندگی کے لیے جس مشیر کی ہر وقت ضرورت رہتی ہے اسے اولاد کہتے ہیں۔ تاہم ناکام ازدواجی زندگی چاہتے ہو تو ہمیشہ سچ بولو۔ شادی کے بعد خاوند سمجھتا ہے اس نے بیوی کو حاصل کیا۔ بیوی سمجھتی ہے اس نے خاوند کو حاصل کر لیا اور یہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کس نے کیا حاصل کیا۔ طلاق وہ آرڈیننس ہے جس کے تحت مجازی خدا معزول ہو کر "بندے دا پتر" بن جاتا ہے۔ دنیا میں اتنی طلاقیں خاوند کی غیر عورتوں سے باتوں کے نتیجہ میں نہیں ہوئیں جتنی اپنی بیوی سے باتیں کرنے کے نتیجہ میں ہوئیں۔ کہتے ہیں عورت اس دنیا میں برائی کی جڑ ہے حالانکہ اس دنیا میں جتنے بھی نیک مرد ہیں وہ عورت کے باعث ہیں۔ کچھ بیوی کے خطرے سے باقی حوروں کی خاطر۔

خاوند کو غلط راستے سے ہٹانے کے دو طریقے ہیں اور یہ دونوں غلط ہیں البتہ بیوی کو غلط راستے سے ہٹانے کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ ہے کہ وہاں سے راستے کو ہٹا دیا جائے۔

بیوی کوشش سے نہیں گھبراتی وہ تو جاب بھی اس آفس میں کرنا پسند کرتی ہے' جہاں سارا دن کوشش میں گزرے۔ مالک کوشش کرے' مینجر کوشش کرے' کولیگز کوشش کریں۔ بیوی کو پیلا رنگ پسند ہوتا ہے' خود کو سونے کے زیوروں سے پیلا کرتی ہے اور خاوند کو ان کے بلوں۔ کہتے ہیں گھر خاوند کے لیے مرکز برائے تعلیم بالغاں ہے اور بیوی استانی ہے حالانکہ اگر ایسا ہوتا تو وہ گھر آنے پر جب بھی خاوند پر سوالوں کا چھڑکاوٴ کرتی تو یہ ضرور کہتی کہ ان میں سے کوئی سے پانچ سوالوں کے جواب دو۔

بیوی کے آنسو دنیا کی سب سے بڑی آبی قوت ہیں اور اس قوت کا سرچشمہ خاوند ہے

جس خاوند کو اس کی بیوی "عظیم" کہے یقین کر لیں اس کا نام عظیم ہو گا۔

شادی کے بعد بندے میں اور کوئی تبدیلی آئے نہ آئے وہ مہمان نواز ضرور ہو جاتا ہے۔ اسی لیے تو بیوی اسے خوش کرنے کے لیے چند ہی مہینوں میں کہنے لگتی ہے کہ ہمارے گھر میں نیا مہمان آنے والا ہے۔ ویسے گھر اچھی جگہ ہے بشرطیکہ کوئی اور جگہ نہ ہو۔ ابتدائی عمر میں بیوی ہو تو بندہ آدھا رہ جاتا ہے اور آخری عمر میں بیوی نہ ہو تو آدھا رہ جاتا ہے۔

جو بیوی اپنے خاوند کی تعریف کرتی ہے اس کے خاوند کے بارے میں تو میں کچھ نہیں کہہ سکتا اتنا کہہ سکتا ہوں وہ بیوی قابل تعریف ہے۔ اچھا خاوند وہ ہوتا ہے جس سے شادی کر کے بیوی اتنی ہی خوش ہو جتنی اس سے شادی کرنے سے پہلے تھی اور یہ تبھی ممکن ہے جب خاوند تھوڑا سا بیوی بھی ہو جب کہ آئیڈیل خاوند وہ ہوتا ہے جس کے گھر دو بیویاں ہوں ایک اس کی بیوی اور ایک وہ خود۔

○○○

• پیار کا شہر

احمد ندیم قاسمی نام پڑھ کر لگتا ہے تین آدمی ہیں کام دیکھ کر بھی ایسا ہی لگتا ہے۔
عمر وہ جس میں بندہ مولا سے زیادہ مورخ سے ڈرتا ہے کہ مولا تو صرف مستقبل بدل سکتا ہے جبکہ مورخ تو ماضی بھی بدل سکتا ہے شکل و صورت ایسی کہ اگر مجھے کوئی یقین دلائے کہ پچھتر سال کی عمر میں میں بھی ایسا لگوں گا تو میں ابھی پچھتر سال کا ہونے کے لیے تیار ہوں کیونکہ جوانی کی خوبصورتی آپ کو فطرت کا عطیہ ہے اور بڑھاپے کی خوبصورتی آپ کا فطرت کو۔ چہرے پر بچپن کا ٹریڈ مارک یعنی زخم کا نشان ہی نہیں چہرے پر بچپن بھی ہے وہ پچیس سال کی عمر میں پچاس برس کے ہو گئے اور پچاس برسوں سے پچیس سال کے ہیں۔
دوسروں کے دکھ سکھ میں اس قدر شریک ہوتے ہیں کہ بیوی کسی کی فوت ہوتی ہے تسلیاں انہیں دینا پڑتی ہیں۔ جتنی محبت انہیں انسانوں سے ہے اگر اس کا دسواں حصہ خدا سے ہوتی تو اولیاء میں سے ہوتے اور اس کا سواں حصہ افسروں سے ہوتی تو روٴسا میں سے ہوتے۔
جو بھی انہیں پہلی بار ملتا ہے اسے افسوس ہوتا ہے کہ اس سے پہلے کیوں نہیں ملا۔ ملاقاتی کے ساتھ یوں پیش آتے ہیں جیسے وہ نہیں یہ احمد ندیم قاسمی کو ملنے آئے ہیں۔ طوائف' وگین اور ان کے رسالے "فنون" کا دروازہ ہر وقت ہر کسی کے لیے کھلا رہتا ہے۔ وہاں آنے والوں کی مسلسل لطیفوں اور باتوں سے یوں مدارت کرتے ہیں جیسے وہ اجازت لے کر نہیں' ٹکٹ لے کر آئے ہوں۔
دنیا میں اللہ والے کام کئے یعنی عورت سے جب بھی رشتہ بنایا' ہمیشہ وہ رشتہ بنایا جو خدا خود بنا کر بھیجتا ہے۔ مذہب سے اس قدر لگاؤ کہ آج تک کسی کافر پر دل نہیں آیا' لیکن ہم ان سے زیادہ مذہبی ہیں کہ جب کسی کافر بدن کو دیکھا فوراً اسے چار کلمے

پڑھانے کا سوچنے لگے یہی نہیں ہم تو جوتی تک پسند کرنے کے لیے شوز سٹور کی بجائے مسجد جاتے ہیں۔

دوران گفتگو دائیں بازو کا اس قدر استعمال کرتے ہیں جتنا جماعت اسلامی والے درمیان گفتگو۔ غصے کے اس قدر تیز ہیں کہ آپ کی جس بات پر انہیں غصہ آتا ہے وہ بات ابھی پوری نہیں ہوتی ان کا غصہ پہلے پورا ہو چکا ہوتا ہے۔ محبت میں پہل کرتے ہیں مگر نفرت میں آخر نہیں کرتے۔

بحیثیت انسان وہ ان شاعروں' ادیبوں سے بھی بڑے ہیں جنہیں وہ خود سے بڑا کہتے ہیں۔ یوں بھی اگر آپکو کسی مکمل انسان کی خوبیاں تلاش کرنا ہیں تو نبیوں' ولیوں کے بعد صرف بچے ہی ملیں گے۔ البتہ اگر کسی مکمل انسان کی خامیاں تلاش کرنا ہیں تو کہیں جانے کی ضرورت نہیں' ماشاء اللہ آپ خود مکمل انسان ہیں۔

بچوں کے ساتھ اتنی جلدی دوستی کر لیتے ہیں جتنی جلدی بچے بڑوں کے ساتھ کرتے ہیں بچوں میں بیٹھے ہوں تو بزرگ نہیں ہوتے' بزرگوں میں بیٹھے ہوں تو پھر بھی بزرگ نہیں ہوتے۔

ہم عصر انہیں بڑا تخلیق کار مانتے ہیں حالانکہ ہمارے عام قاری ادیب کو اس کی بہترین تخلیق کے حوالے سے جانتا ہے اور ہم عصر ادیب کمزور ترین تخلیق کے حوالے سے۔ ہم عصروں میں ان کا کوئی "ہم عصر" نہیں۔ شاعروں میں مائنڈ دوسروں سے ڈبل ہوتا ہے اسی لیے ہمارے اکثر شاعر ڈبل مائنڈیڈ ہوتے ہیں۔ ایسی حرکت کریں گے جس کا نتیجہ اگر برکت ہے تو یقیناً برکت بی بی ہو گا مگر قاسمی صاحب کی حرکات و سکنات ایسی ہیں کہ شاعر نہیں لگتے۔ بدصورتی میں بھی خوبصورتی ڈھونڈ لیتے ہیں۔ یہ بھی اچھے شاعر سے زیادہ اچھے شوہر کی خوبی ہے۔ مگر وہ جو کچھ کہنا چاہیں منہ پر کہتے ہیں۔ یہی سچے شاعر کی نشانی ہے کہ جو بات آپ کہنا چاہیں مکمل طور پر نہ کہہ سکیں تو آپ شاعر نہیں شوہر ہیں۔

شعر کہنا ان کے نزدیک بہت مشکل کام ہے اور اس سے مشکل صرف ایک کام ہے اور

وہ ہے شعر نہ کہنا۔ انہوں نے لکھ کر گھر کا چولہا چلایا حالانکہ دوسرے ادیبوں کی تحریروں سے ان کے گھر والوں کو چولہا چلاتے تو نہیں البتہ چولہا جلاتے ضرور دیکھا ہے۔

ہمارے ادیب شاعر ناکامی کا صدمہ برداشت کر لیتے ہیں مگر ان سے کامیابی کا صدمہ برداشت نہیں ہوتا' اگر ہوتا ہے تو پھر بندہ احمد ندیم قاسمی ہوتا ہے۔ انہیں لوگوں نے گالیاں بھی دیں' عزت بھی دی' جو جو کچھ کسی کے پاس تھا' دیا۔ جس شخص کا دشمن کوئی گھٹیا نہیں وہ خود گھٹیا ہے۔ ویسے وہ جتنا خیال سگریٹ خریدتے وقت اس کی کوالٹی کا کرتے رہے' اتنا دوست بناتے وقت کر لیتے تو آج ان کا کوئی گھٹیا دشمن نہ ہوتا۔ کہتے ہیں ایک زمانے میں بہت سگریٹ پیتے تھے' حالانکہ وہ اتنے کم سگریٹ پیتے تھے کہ میں نے انہیں ہمیشہ ایک ہی سگرٹ پیتے دیکھا۔

صحت ایسی کہ جوانی میں کوئی شاعر ان کے ساتھ سیر کو نکلتا تو شاعر کے لواحقین اسے امام ضامن باندھ کر رخصت کرتے۔ ایک بار ایک شاعر کے ساتھ سیر کو نکلے' دو تین میل کے بعد جب شاعر موصوف گرنے لگے تو کہا "بس تھوڑی دور اور' کھلی جگہ آجائے تو سیر شروع کرتے ہیں۔"

ہوسٹل میں رہنا اپنے آپ میں رہنا ہے۔ ایک عرصہ ہوسٹل میں رہنے سے ایسے بن گئے ہیں کہ اب جہاں ایک عرصہ رہ جائیں ہوسٹل بن جاتا ہے۔ وہ تو جتنی دیر جیل میں رہے' جیل ہوسٹل رہا۔ کتابیں ان کا اوڑھنا بچھونا ہیں۔ ویسے بھی ہماری اکثر کتابیں ایسی ہیں کہ ان کا بچھونا ہی بنایا جا سکتا ہے۔ جس دن کام کا موڈ ہو بستر کے پاس کتابوں کا ڈھیر لگا لیں گے اور جس دن عیاشی کا موڈ ہو اس دن کتابوں کے ڈھیر کے پاس بستر لے جائیں گے۔

مرد کے پیٹ میں اچھی بات ہو تو اس کا دھیان مٹھائی کی طرف جائے گا اور عورت کے پیٹ میں اچھی بات ہو تو کھٹائی کی طرف۔ دفتر "فنون" میں احمد ندیم قاسمی کی امامت میں پنجگانہ با جماعت مٹھائی تقسیم ہوتی' پہلے اس خوشی میں کہ آج خالد احمد نہیں آیا اور پھر اس خوشی میں کہ آج خالد احمد آیا ہے۔

جس شخص نے کبھی دھوکہ نہیں کھایا وہ مخلص نہیں ہو سکتا اور آپ تھوڑی سی کوشش کرکے احمد ندیم قاسمی کو مخلص ثابت کر سکتے ہیں۔ شراب کے ساتھ وہی سلوک کرتے ہیں جو ہمارے ہاں شرابیوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ انگریزی پر اس قدر عبور ہے کہ ایک فقرہ بھی ادا کریں تو لگتا ہے عبور کیا ہے۔ سارا دن کام کرتے نہیں تھکتے لیکن اس دن تھک کے چور ہو جاتے ہیں جس دن انہیں کوئی کام نہ ہو۔ دوستوں کا کام جلد کر دیں گے کہ ان کا وقت بچے اور دشمنوں کا کام فوراً کر دیں گے کہ اپنا وقت بچے۔

اس قدر ست ہیں کہ صبح سات بجے اٹھیں تو کہیں آٹھ بجے جا کر اس حالت میں ہوں گے جس میں دفتر جاتے ہیں جبکہ خالد احمد اس قدر تیز ہیں کہ صبح آٹھ بجے اٹھیں تو سات بجے اس حالت میں ہوں گے کہ جس میں دفتر جاتے ہیں احمد ندیم قاسمی دیکھنے میں بڑے افسر لگتے ہیں اور اس وقت تک رہتے ہیں جب تک دوسرا خود کو افسر سمجھتا ہے۔ آپ دس غلطیاں کریں تو ایک بار ڈانٹیں گے۔ بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ آپ باقی نو غلطیاں بعد میں کرتے ہیں۔ مخالفوں کے لیے وہ سیسہ پلائی دیوار ہیں یعنی ساکت۔ انہیں اپنے اوپر گرانے کے لیے کافی کوشش کرنا پڑتی ہے۔ جس صحافی کو کوئی ناپسند نہ کرے اور جس شاعر کو کوئی پسند نہ کرے وہ بڑا بد قسمت ہوتا ہے۔ اور احمد ندیم قاسمی بڑے خوش قسمت ہیں۔

تنقید لکھنے سے بندہ بوڑھا لگنے لگتا ہے اور پڑھنے سے ہو بھی جاتا ہے۔ مگر ان کی تنقید بڑی جوان ہوتی ہے لیکن انہیں اپنے گھر میں کوئی نقاد نہیں مانتا۔ شاید یہی ان کی خوشگوار ازدواجی زندگی کا راز ہے۔

ان کی وجہ سے بڑا ادب پیدا ہوا' اور بڑا ادب وہ ہوتا ہے جو کسی شخصیت سے مل کر آپ کے دل میں پیدا ہوتا ہے۔ انہوں نے ادیبوں کی بھلائی کے لیے بہت کچھ کیا حالانکہ میرے خیال میں ادیبوں کی بھلائی کے لیے یہی کافی ہے کہ پبلشر کے دفتر کے ساتھ ان کے لیے ایک ایمرجنسی وارڈ بنوا دیا جائے۔ ویسے آج کل رائٹرز اور پبلشرز میں بڑی ذہنی ہم آہنگی ہے' دونوں کی سوچیں ملتی ہیں۔ پبلشر سمجھتا ہے وہ رائٹر کو بیوقوف

بنا رہا ہے اور رائٹر بھی یہی سمجھتا ہے کہ پبلشر مجھے بیوقوف بنا رہا ہے۔
وہ ایسے قلمکار ہیں جن کے قلم میں روشنائی کی جگہ انا بھری ہوئی ہے۔ فن پیری کے علاوہ ہر فن میں مکمل' ان سا نامکمل بڑھاپا گزارنے کے لیے مکمل جوانی چاہیے۔ ان کے نزدیک ہر چھوٹا آدمی جب کام کر رہا ہو' بڑا ہوتا ہے اور ہر بڑا آدمی جب کام نہ کر رہا ہو' چھوٹا ہوتا ہے۔
اگر پورا لاہور آپ کو اچھا کہہ رہا ہو اور ایک شخص اس بات پر یقین نہ کرے تو یقین کر لیں وہ آپ کا قریبی دوست ہو گا اور اگر دوست کسی قریبی دوست کی تعریف کر رہا ہے تو یقین کر لیں کہ وہ جس شخص کی بات کر رہا ہے وہ احمد ندیم قاسمی ہے۔

یہ وہ چراغ ہے جس تلے اندھیرا نہیں اور روشنی ایسی کہ قریب آ کر مکڑے جگنو بن جاتے ہیں۔ آج کے نقادوں کے لیے انہیں مکمل سمجھنا ایسا ہی ہے جیسے سورج سے سگریٹ سلگانے کی کوشش کرنا اور انگارے سے یہ کام کروا کر کہنا کہ سورج میں گرمی انگارے سے کم ہے۔ وہ کسی بھی دور میں قیمتی ادیب نہیں رہے کہ کسی بھی دور میں ان کی قیمت نہیں لگی۔ انہیں کسی خاص دور سے منسوب نہیں کیا جا سکتا کہ دور خود کو ایسے لوگوں کے نام سے منسوب کرتے ہیں۔

○○○

• دکن کی طوائف

وہ پیدائشی طوائف ہے اس لیے جب بھی بات کرے گی یہ کہہ کر شروع کرے گی "عرض کیا ہے!" طوائف کو سننے کے لیے دولت چاہیے' علم بھی دولت ہے اس لیے اسے سننے کے لیے جیب خالی ہو تو ہو' سر خالی نہیں ہونا چاہیے۔ قصیدہ اس کی ماں اور رودکی اس کا باپ تھا۔ فارسی میں پیدا ہوئی تو اس کا نام غزل رکھا گیا۔ ولی دکنی اس کا باوا آدم ہے جو اسے فارسی سے زمین اردو پر لایا۔ اس زمانے میں بھی اس کے ساتھ تعلق رکھنے والا شریف کی بجائے شاعر کہلایا' آج بھی یہی کہلاتا ہے اور اس کا مجرا مشاعرہ کہلاتا ہے۔

ہر شخص نے اسے حرم زوگی کے بعد اپنا نام دیا مگر سب نے اسے اپنے اصلی نام کی بجائے کوئی اور نام ہی بتایا اور خود کو مخلص ظاہر کرنے کے لیے اس نام کو تخلص کہا۔

غزل کا انداز بھی طوائفوں والا رہا۔ جس نے تنہائی میں اسے پڑھا یہی سمجھا یہ صرف میرے لیے ہے۔ تنقید ادب کا شعبہ پولیس ہے جس نے چھاپے مار مار کر کئی لوگوں سے اسے چھڑوایا' بااثر افراد کو سپلائی بھی کیا۔

غزل اور نظم میں وہی فرق ہے جو محبوبہ اور منکوحہ میں ہے۔ نظم میں بڑا نظم و ضبط ہوتا ہے۔ نظم' سنانے والے کا اور ضبط سننے والے کا۔ نثر تو نری شریف زادی ہے جو باتیں آپ غزل میں کہہ دیتے ہیں' نثر میں کہہ دیں تو آپ کو کوڑے پڑ جائیں۔

جس معاشرے میں شاعری نہ پڑھی جائے وہ معاشرہ بڑا ظالم ہوتا ہے اور جس میں شاعری نہ کی جائے وہ بڑا مظلوم ہوتا ہے۔ شاعر تو بے چارہ کھانا بدوش ہے۔ وہ خوابوں کے محل بناتا ہے' نقاد ان محلوں کو کرائے پر چڑھا دیتا ہے' جبکہ پبلشران کا کرایہ وصول کرتا ہے۔ شاعری امن کی علامت ہے۔ "ف" کہتا ہے "واقعی پہلے جو چھوٹی چھوٹی بات پر

ایک دوسرے کو گالیاں دیتے' اب ایسی بات ہو تو ایک دوسرے کو اپنے شعر ہی سناتے ہیں۔" یہی نہیں شاعروں کے ساتھ رہنے سے بندہ پر امن ہو جاتا ہے۔ اس لیے اولاد کو کبھی ان کے مرنے کے بعد جائیداد پر جھگڑتے نہیں دیکھا' جس کی واحد وجہ یہ ہے کہ وہ اس قدر امن پسند ہوتے ہیں کہ وجہ لڑائی چھوڑتے ہی نہیں۔

کہتے ہیں پانی پینے والے شاعر کی شاعری زیادہ دیر تک زندہ نہیں رہتی۔ اگر یہ ٹھیک ہے تو پھر یہ بھی غلط نہیں کہ شراب پینے والا شاعر خود زیادہ دیر تک زندہ نہیں رہتا۔ اگر کوئی شاعر بہت گھٹیا شعر سن کر بھی شرمندہ اور پریشان نہ ہو تو اس کی ایک ہی وجہ ہو سکتی ہے' وہ یہ کہ یہ شعر اس کا اپنا ہو گا۔

ہمارے شاعروں کے قدم سڑک پر اور خیال آسمان پر ہوتا ہے۔ اکثر جب خیال سڑک پر آتا ہے' قدم آسمان پر پہنچ چکے ہوتے ہیں۔ شاعری کرنا بہت مشکل ہے اور اس سے مشکل اگر کوئی کام ہے تو وہ ہے شاعری پڑھنا۔ میرا ایک دوست تو شاعری کی ایک کتاب پڑھ کر درخت کاٹنے کے خلاف ہو گیا۔ جس کی وجہ یہ بتاتا ہے کہ ان درختوں کو کاٹ کر ان سے کاغذ بنایا جاتا ہے جس پر ایسی کتابیں چھپتی ہیں۔ ویسے اچھی غزلوں کی کتاب وہ ہوتی ہے جسے پڑھنے میں اتنی ہی دیر لگے جتنی دیر اسے لکھنے میں لگی۔

"ق" کہتا ہے:"مشاعرے میں پڑھنا بڑے دل گردے کا کام ہے۔" حالانکہ مشاعرے میں نہ پڑھنا بڑے دل گردے کا کام ہے۔ وہ کہتا ہے "میں کئی مشاعروں میں پڑھنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ شاعری کتابی صورت میں دوسروں تک پہنچانا زیادہ محفوظ طریقہ کار ہے کہ اس میں چوٹ لگنے کا اندیشہ نہیں ہوتا۔" ویسے لوگ اس کا اس قدر احترام کرتے ہیں کہ جونہی وہ مشاعرہ پڑھنے کے لیے اٹھتا' سارا ہال اٹھ کھڑا ہوتا۔ اس کا مقطع تو اس قدر پسند کیا جاتا ہے کہ جونہی وہ اپنی غزل کا پہلا شعر سناتا' آوازیں آنے لگتیں "مقطع! مقطع!....."

ہر شعر کے تین مطلب ہوتے ہیں' ایک شاعر کا' دوسرا آپ کا اور تیسرا شعر کا اصل مطلب۔ جو کسی شاعر پر زیادتی کرنا چاہیں' وہ اس کے اچھے شعر پر داد نہیں دیتے اور

مزید زیادتی کرنا چاہیں وہ برے شعر پر داد دینے لگتے ہیں۔

شاعر جوانی میں کئی سال بعد بھی گھر جائے تو وہاں جا کر وہ جو دوسرا کام کرے گا وہ بیوی کو شعر سنانا ہی ہو گا اور اگر بوڑھا ہوا تو پہلا کام بھی یہی ہو گا۔ اکثر شاعروں کی غزلیں دور دور تک گائی جاتی ہیں۔ اگر چند گھڑی ان کے پاس بیٹھ جائیں تو آپ کو پتہ چل جائے گا کہ دور دور کیوں گائی جاتی ہیں؟

میرا دوست "ف" کہتا ہے "میری بیوی میری کتابوں کی روشنی میں اپنا راستہ متعین کرتی ہے۔" واقعی یہ میں نے خود دیکھا ہے۔ ایک دن جب ان کے ہاں گیا' رستہ دکھا رہی تھی۔ ابھی آدھی کتاب ہی روشن ہوئی تھی کہ بجلی آگئی۔ وہ کہتا ہے "میری بیوی شاعری کی کتابوں کا اتنا ہی احترام کرتی ہے' جتنا آسمانی کتابوں کا۔" واقعی گھر میں وہ انہیں اتنی بلند جگہ پر رکھتی ہے جہاں بچوں اور اس کا ہاتھ نہ پہنچ سکے۔ ویسے "ف" کی غزلوں کی زبان ایسی ہے کہ بے اختیار دل سے دعا نکلتی ہے اللہ اس کی زبان دراز کرے۔

دنیا کا سب سے خوبصورت تہہ در تہہ شعر خاموشی ہے کہ ہر کوئی اس سے اپنی مرضی کا مطلب نکال کر محظوظ اور محفوظ ہو سکتا ہے۔ ہمارے شاعروں نے بڑی حکیمانہ شاعری کی ہے کہ حکیموں کی مسلسل دوائیوں سے بھی جن کو بے خوابی اور نیند نہ آنے کی بیماری سے نجات نہ ملی انہیں ایک ہی غزل سے افاقہ ہوا۔ آج کل سنا ہے عالم چنا بھی شاعری شروع کر رہا ہے' چلو اس کی وجہ سے ہم یہ تو کہہ سکیں گے کہ ہمارے ہاں کوئی عالمی قد کا شاعر ہے۔

کہتے ہیں عورتوں سے باتیں کرنا غزل کہلاتا ہے تو پھر عورتوں کا باتیں کرنا نثری نظم ہوا۔ یوں دنیا میں کوئی شخص ایسا نہیں جس نے غزل نہ کہی ہو یعنی جس نے عورت سے بات نہ کی ہو۔ غزل عورت کی سطر پوشی ہے۔ یوں یہ زنانہ صنف سخن ہے۔ شاید اسی لیے اس میں وزن کا اتنا ہی خیال رکھنا پڑتا ہے جتنا عورتوں کو اپنے وزن کا۔ "ف" کہتا ہے کہ ہمارے ہاں غزل پڑھ کر یہ نہیں لگتا کہ شاعر تنہائی میں عورت سے باتیں

کر رہا ہے' بلکہ لگتا ہے عورتوں کے اجتماع سے خطاب کر رہا ہے۔
غزل تو لفظوں سے بنی خوبصورت پینٹنگ ہے جو ویسی ہی لگے گی جیسا دیکھنے والا ہو گا۔

خیال اس کا بدن اور لفظ اس کا لباس ہے' اسی لیے کم سے کم لفظوں میں زیادہ بھلی لگتی ہے۔ جس نے کبھی شاعری نہیں کی وہ اس پرندے کی طرح ہے جس نے کبھی پرواز نہیں کی۔ جب تک انسان شاعری کرتا رہتا ہے وہ جوان رہتا ہے اور جب تک انسان جوان ہوتا رہے گا شاعری ہوتی رہے گی۔



• بڑھاپا ہزار نعمت ہے

مہاتما بدھ کہتا ہے "اگر دنیا میں پیدا ہونے سے پہلے مجھ سے پوچھا جاتا تو میں پیدا ہونے سے انکار کر دیتا۔" میں کہتا ہوں "اگر مجھے چانس ملتا تو میں بوڑھا پیدا ہوتا اور بچہ ہو کر مرتا۔" ہر آدمی چاہے وہ کتنا بھی جوان نظر آنا چاہے مگر وہ رہنا بوڑھوں کی طرح چاہے گا یعنی وہ آہستہ بولے اور لوگ زور سے سنیں' وہ کھانسے بھی تو سب ایسے متوجہ ہوں جیسے میوزک سن رہے ہوں' وہ سر عام جسے چاہے اور جب چاہے نصیحت کرے۔ بڑھاپے کا پتہ کرنے کے لیے عمر نہیں طبیعت پوچھتے ہیں۔ اگر طبیعت میں سکون ہے' بے چینی نہیں تو آپ کو مبارک باد! آپ بوڑھے ہیں۔ اگر معاملہ الٹ ہے تو پھر مجھے مبارک باد! جوانی میں چال چلن چاند جیسا ہوتا ہے یعنی بندہ رات گھر سے باہر گزارتا ہے اور بڑھاپے میں چہرہ چاند سا ہو جاتا ہے یعنی اس پر گڑھے اور داغ دھبے پڑ جاتے ہیں۔ چہرے پر صورت سے زیادہ سیرت آجاتی ہے۔

ہر پرانی چیز قیمتی ہوتی ہے۔ پرانا تو جھوٹ بھی نئے سچ سے زیادہ قابل اعتبار ہوتا ہے۔ انسان کی بھی بڑھاپے میں جتنی عزت ہوتی ہے ساری زندگی نہیں ہوتی۔ جس کی وجہ میرا دوست "ف" یہ بتاتا ہے کہ بڑھاپے میں اس لیے عزت ہوتی ہے کہ اس وقت تک بندے کو جاننے والے ہم عمر بہت کم زندہ ہوتے ہیں۔

دنیا میں ہر شخص سال میں ایک بار جینیئس ضرور ہوتا ہے اور ہر جینیئس سال میں کئی بار احمق ضرور ہوتا ہے مگر کوئی بوڑھا بے وقوف نہیں ہوتا کیونکہ جو بے وقوف ہوتا ہے وہ بوڑھا نہیں ہوتا۔ بوڑھے میں ایک سنجیدگی اور وقار ہوتا ہے۔ اس کی باتیں الہامی لگتی ہیں۔ "ف" کہتا ہے "واقعی بوڑھوں کی باتیں الہامی ہی ہوتی ہیں یعنی ان کا دل اور دماغ سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔" بقول شخصے بڑھاپے کا صرف ایک نقصان ہے کہ سالگرہ پر اتنا خرچہ کیک پر نہیں آتا جتنے کے موم بتیاں آتی ہیں۔ پھر انہیں

بجھانے سے اتنی ہی تھکاوٹ ہوتی ہے جتنی سو میٹر کی ہرڈل ریس کے بعد۔

دنیا میں تین قسم کے بوڑھے ہوتے ہیں' ایک وہ جو خود کو بوڑھا سمجھتے ہیں' دوسرے وہ جنہیں دوسرے بوڑھا سمجھتے ہیں اور تیسرے وہ جو واقعی بوڑھے ہوتے ہیں۔ دنیا میں سب سے زیادہ مخلص' بوڑھا مخلص ہوتا ہے اور سب سے برا دشمن بوڑھا دشمن' کیونکہ اس کا اپنا تو کوئی مستقبل نہیں ہوتا لیکن وہ آپ کا مستقبل خراب کر سکتا ہے۔

جوانی میں آدمی کے سر پر عورت سوار رہتی ہے یا پھر الٹ۔ لیکن بڑھاپے میں اس کے سر پر جوانی سوار رہتی ہے۔ مجھے تو جوانی میں صرف یہی خوبی لگتی ہے کہ وہ آتا نہیں' آتی ہے۔ جبکہ بڑھاپا آتا ہے۔ بڑھاپا خالص مردانہ صفت ہے' اسی لیے تو میں نے کسی عورت کو بوڑھا ہوتے نہیں دیکھا بوڑھا کرتے ہی دیکھا ہے۔ جوانی کی ساری اہمیت اور برائی یہ ہے کہ وہ بڑھاپے سے پہلے آتی ہے۔ اگر بڑھاپے کے بعد آتی تو پوری جوانی بڑھاپے کو یاد کر کے کٹتی۔ لیکن "ف" کہتا ہے "بڑھاپے میں یہ خامی نہیں کہ جوانی اس سے پہلے آتی ہے بلکہ یہ ہے کہ اس کے بعد موت آتی ہے۔" کہتے ہیں بڑھاپے میں آدمی جنت اور دوزخ کے بارے میں زیادہ سوچنے لگتا ہے۔ بھلا کیوں نہ سوچے۔ یہ ہی تو دو جگہیں ہوتی ہیں جہاں اس کے دوست یار سب سے زیادہ رہ رہے ہوتے ہیں۔

اصلی استاد وہ ہوتا ہے جو طالب علموں کا ادب کرے اور اصلی بوڑھا وہ ہوتا ہے جس کے ساتھ لوگ شفقت سے پیش آئیں۔ ہماری زندگی کا پہلا نصف بوڑھوں کو سمجھنے میں اور باقی نصف نوجوانوں کو سمجھنے میں گزرتا ہے۔ بوڑھا ہونے کے لیے عمر کا حساب کتاب ضروری نہیں۔ یوں بھی حساب کا مضمون غیر انسانی ہے کیونکہ حساب کتاب کرنا تو فرشتوں کا کام ہے۔ اسی لیے "ف" حساب میں فیل ہونا اپنے انسان ہونے کے ثبوت کے طور پر پیش کرتا ہے۔ جوانی بچپن سے شروع ہو کر بڑھاپے تک جاری رہتی ہے۔ یعنی جب تک آدمی بوڑھا نہ ہو وہ مکمل جوان نہیں ہوتا۔ لوگ جوانی سے بڑھاپا بذریعہ تعلیم اور بڑھاپے سے جوانی میں بذریعہ حکیم آتے ہیں۔

بڑھاپے میں آدمی وہ کام بھی کر لیتا ہے جو کوئی ذہین نہ کر سکے۔ "ف" کہتا ہے "وہ کام کرنا جسے کوئی احمق نہ کر سکے یقیناً اس کے لیے بڑی ذہانت چاہیے مگر وہ کام کرنا جو کوئی ذہین نہ کر سکے اس کے لیے صرف حماقت چاہیے۔"

کہتے ہیں جو لڑکی کو ملنے سے پہلے اپنے بال درست کرنے لگے وہ جوان اور جو نہ کرے سمجھ لیں وہ بوڑھا ہو گیا۔ حالانکہ جوانی میں بندہ بال درست تو کرتا ہے مگر ملنے کے بعد۔ اور جہاں تک بڑھاپے کا تعلق ہے اس میں بال درست کرنے کے لیے لڑکی کا ہونا اتنا ضروری نہیں جتنا بالوں کا۔ زندگی میں دو بار بچوں سے دوستی کرنے کا مزا آتا ہے' ایک بار جب آپ بچے ہوتے ہیں اور دوسری بار جب آپ بوڑھے ہو جاتے ہیں۔

بڑھاپے میں آپ دوسروں کی بھلائی کے لیے ان کو رائے دیتے ہیں تو وہ اس کا احترام کرتے ہیں۔ جس سے ان کی بھلائی اس طرح ہوتی ہے کہ وہ صرف رائے کا احترام ہی کرتے ہیں اس پر عمل نہیں کرتے۔ بڑھاپے میں آدمی کی بات بڑی توجہ سے سنی جاتی ہے۔ جس کی وجہ "ف" یہ بتاتا ہے کہ ہمارے ہاں دوبار بندے کی بات توجہ سے سنی جاتی ہے ایک بار اس وقت جب وہ پہلی بار بولتا ہے اور دوسری بار تب جب وہ آخری بار بولتا ہے۔ "ف" کہتا ہے "بڑھاپے میں نظر اتنی کمزور ہو جاتی ہے کہ بندہ محلے کی عورتوں میں اپنی بیوی کو نہیں پہچان سکتا" حالانکہ وہ جس کمزوری کی بات کر رہا ہے وہ نظر کی نہیں ہے بلکہ بندے کو تو اپنی بیوی نظر ہی بڑھاپے میں آتی ہے۔

بڑھاپے کی اس سے زیادہ بڑائی اور کیا ہو گی کہ آپ کو پاکستان کا صدر بننے کے لیے جس کوالیفیکیشن کی ضرورت ہے وہ صرف بڑھاپا ہے' ہر کوئی اس مقام تک نہیں پہنچ سکتا۔ لیکن "ف" کہتا ہے "میں بڑھاپے کے اصل مقام تک پہنچ گیا ہوں اور وہ ہے چارپائی!"

جوانی میں تہمت یوں لگتی ہے جیسے بڑھاپے میں کھانسی۔ جس نے جوانی یورپ میں نہیں گزاری اس نے جوانی ضائع کی اور جس نے بڑھاپا برصغیر میں نہیں گزارا اس نے خود کو ضائع کیا۔

گداگری ختم کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ بھیک دینے والوں کو ختم کر دیا جائے۔ ایسے ہی اگر پولیس توجہ نہ دے تو چوری چکاری بھی ختم ہو سکتی ہے۔ یوں اگر آپ بڑھاپا ختم کرنا چاہتے ہیں تو اس کا یہی طریقہ ہے کہ سب کو بوڑھا کر دیا جائے۔ یوں بھی ہمارے ہاں کون ہے جو بوڑھا ہونا نہ چاہتا ہو۔ ہمارے ہاں تو سب سے بڑی دعا ہی یہ ہے کہ اللہ تمہاری عمر دراز کرے' ہزاروں سال جیو! جو سیدھی بڑھاپے کی تمنا ہے۔ ویسے اگر آپ پھر بھی بوڑھا ہونا نہیں چاہتے تو ایک کام کریں' آپ کبھی نہیں بوڑھے ہوں گے اور وہ ہے کبھی آئینہ نہ دیکھیں۔

اگر کوئی مجھ سے پوچھے کہ آپ بچپن چاہتے ہیں یا جوانی؟ تو میں آنکھیں بند کر کے کہوں گا' بڑھاپا! جس کی طرف بچپن اور جوانی دونوں رجوع کرتے ہیں۔ جس محفل میں ایک بوڑھا ہو' وہاں سب بوڑھے ہوتے ہیں اور جس محفل میں سب بوڑھے ہوں وہاں کوئی بوڑھا نہیں ہوتا۔ بوڑھے محلے میں ہر قسم کی لڑائی کی صلح کرانے کے ماہر ہوتے ہیں اور یہ مہارت انہوں نے گھر میں لڑائی کی ریہرسل کرا کرا کے حاصل کی ہوتی ہے۔ بوڑھے کو آپ اور کچھ سمجھیں نہ سمجھیں اسے بوڑھا ضرور سمجھنا چاہیے۔

آدمی دراصل اس دن بوڑھا ہوتا ہے جس روز وہ ریٹائر ہوتا ہے لیکن آپ مایوس نہ ہوں۔ آپ کسی ملازمت یا ادارے کے تعاون کے بغیر بھی بوڑھے ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ جسے بات سمجھانے کے لیے کئی بار دہرانا پڑے وہ جوان ہے اور جسے بات سمجھنے کے لیے کئی بار دہرانا پڑے وہ بوڑھا ہوتا ہے۔

جوانی میں آدمی اس وقت سوتا ہے جب اٹھنا ہو اور بڑھاپے میں اس وقت اٹھتا ہے جب سونا ہو۔ بلکہ جس کی بڑھاپے میں نیند پوری نہ ہو سمجھ لیں اس کا بڑھاپا پورا نہیں ہے۔ وہ بیٹھا بیٹھا سارے گھر کی ٹریفک کنٹرول کرتا ہے۔ اسے ہر چیز پر کنٹرول ہوتا ہے سوائے اپنے آپ کے۔ وہ چاہتا ہے کہ جوان وہ نہ کریں جو اس نے کیا' یعنی اچھے کام کریں۔ ویسے بڑھاپے میں اگر آدمی جوانی کے بارے میں اچھی رائے رکھتا جیسے تو

یقین کر لیں وہ اس کی اپنی جوانی ہو گی۔

انسان پوری زندگی کل کے بارے میں سوچتا ہے۔ جوانی میں آنے والے کل کے بارے میں اور بڑھاپے میں گزرے ہوئے کل کے بارے میں۔

دنیا میں جتنی عبادت ہوتی ہے' اس میں نوے فیصد بڑھاپے میں ہوتی ہے۔ مجھے تو لگتا ہے قیامت میں بخشے نہ جانے والے لوگوں میں زیادہ تر وہی ہوں گے جنہیں بوڑھا ہونے کا موقع نہیں ملا ہو گا۔

بڑھاپے میں کوئی آپ کو صبح صبح اٹھنے کے لیے نہیں کہے گا بلکہ گھر والے شکر کریں گے کہ آپ ابھی تک سوئے ہوئے ہیں۔ بڑھاپے میں گھڑی کی بھی ضرورت نہیں پڑتی' کیلنڈر سے بخوبی کام چلایا جا سکتا ہے۔ یوں بھی بڑھاپے کا گھنٹہ ستر منٹ کا ہوتا ہے۔ "ف" کہتا ہے "نہیں ساٹھ منٹ کا ہوتا ہے" ہو گا! لیکن میں تو اتنا جانتا ہوں یہ گزرتا ستر منٹ میں ہے۔ بڑھاپے میں آرام ہی آرام ہے اور آرام میں بڑھاپا ہے۔ بوڑھے کے پاس ہر مسئلے کا حل تو ہوتا ہے مگر یہ مسئلہ ہوتا ہے کہ کوئی مسئلہ نہیں ہوتا۔

بڑھاپے میں ہی تو آدمی کو زندہ ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ سارے گھر والے صبح سویرے اس کے کمرے میں جھانک کر دیکھتے ہیں کہ زندہ ہے؟ ورنہ جوانی میں تو حرام ہے کوئی صبح اٹھ کر پوچھے کہ آپ رات کو زندہ بھی تھے یا نہیں؟ بڑھاپے میں اسے کسی کی فکر نہیں ہوتی سب کو اس کی فکر ہوتی ہے۔

اس دنیا کو جنت بنانے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ تمام انسانوں کو بوڑھا کر دیا جائے لیکن "ف" کہتا ہے "تم جنت نہیں اصل میں ہسپتال بنانا چاہتے ہو' جنت میں تو ایک بھی بوڑھا داخل ہو گیا تو وہ جنت نہیں گھر بن جائے گا" حالانکہ یہ بات بھی بڑھاپے کی بڑائی ہے کہ اس دنیا میں بوڑھا ہونے کا آخری چانس ہے اس لیے یہاں ہر قیمت پر بوڑھا ہونا چاہیے۔

• ملکہ معظمہ

آپ نے لفظ "بڑا آدمی" اکثر سنا ہے کبھی "بڑی عورت" نہیں سنا ہو گا۔ کیونکہ یہ سننے سے نہیں دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ عورت کتنی بڑی ہے۔ لیکن ملکہ معظمہ وہ عورت ہے جو سننے میں بھی "بڑی عورت" ہے۔ اس میں بچپن ہی سے بڑی عورت بننے کی صلاحیتیں تھیں کیونکہ جس عمر میں دوسری لڑکیاں ہوتی ہیں یہ اس عمر میں بھی عورت تھی' آج بھی ویسی ہے جیسی چالیس سال پہلے تھی۔ اگر آپ کو اس میں کوئی تبدیلی لگتی ہے تو اس کی وجہ یقیناً آپ کی عمر کی تبدیلی ہے۔ دیکھنے میں ان عورتوں سے کم بوڑھی ہے جو اس سے زیادہ بوڑھی ہیں۔ ہالی وڈ میں تو اس سے بڑی عمر کی اداکارئیں بھی اپنے ہیئر اسٹائل کی وجہ سے ہرگز بوڑھی عورت نہیں لگتیں' بوڑھا مرد لگتی ہیں۔ میرا دوست "ف" کہتا ہے "ملکہ معظمہ کی عمر ہی کیا ہے؟ ابھی پچاس سال پہلے تو وہ صرف پانچ برس کی بے بی تھی۔" یوں بھی وہ مشکل سے چھپن برس کی ہرگز نہیں لگتی' چون برس کی لگتی ہے۔

صورت و سیرت میں اپنے آپ پر گئی ہے۔ رنگت ایسی' ذرا نقاب الٹ دے تو اندھیرے کمرے میں پو پھوٹنے لگے اور دیکھنے والے کا دل چاہے کہ پورا دن نکل آئے۔ قد جتنا آپ سمجھتے ہیں اس سے ذرا زیادہ اور وزن جتنا آپ سمجھتے ہیں اس سے ذرا کم۔ چال منٹو کے افسانے کی طرح' چال چلن بھی ویسا ہی۔ بقول "ف" ایک وقت ایسا بھی تھا جب میڈیکل کالجوں کے طلبہ دل کی دھڑکنیں تیز کرنے والے عوامل گنتے تو ان میں اس کا نام بھی ہوتا۔

قصور کے ایک محلے میں پیدا ہوئی جو دودھ دہی اور دھوکا دہی کے لیے مشہور ہے۔ تعلق اس خاندان سے جس سے ہر کوئی تعلق رکھ سکتا ہے۔ جہاں بیٹی کا بوجھ ماں' باپ اور

جوان بھائیوں پر مشتمل ہوتا ہے اور گھروں کی دیواریں نہیں بس دروازے ہوتے ہیں۔
بچپن کھیل کود میں گزرا جس میں کھیل کم اور کود زیادہ تھی۔ پانچ سال کی عمر میں اس نے پہلی بار اسٹیج پر گانا گایا تو سننے والوں نے کہا یا تو جلد مر جائے گی یا پھر یہ کبھی نہیں مرے گی۔

موسیقی فرشتوں کی زبان ہے جس میں ہم اپنی خواہشات دراز کرتے ہیں۔ ملکہ کی تین زبانیں ہیں۔ پہلی دو آنکھوں میں ہیں' وہ گلے سے نہیں پورے جسم سے گاتی ہیں' ستی بھی ایسے ہی ہیں۔ وہ تو روتی بھی یوں ہے' لگتا ہے آنسو نہیں اترے نکل رہے ہیں۔ گانے کے دوران ساڑھی کا پلو انگلی پر لپیٹتی جاتی ہے۔ گانا فحش ہو تو انگلی پر لپیٹا پلو اتارتی جاتی ہے۔ جو یہ کہے کہ میں نے کبھی ملکہ کی آواز نہیں سنی یا تو وہ جھوٹ بول رہا ہے یا بہرہ ہے۔ دنیا میں خوبصورت عورتوں نے اتنا نہیں گایا جتنا عورتوں نے خوبصورت گایا ہے اور وہ گا رہی ہو تو لوگ ایک دوسرے سے کہتے ہیں "سامنے سے ہٹ جاؤ مجھے اس کی آواز دکھائی نہیں دے رہی!" نہ سنو تو بھی سریلی ہے۔

رقص اعضاء کی شاعری اور گلوکاری شاعری کا رقص ہے۔ کہتے ہیں بڑا گلوکار وہ ہوتا ہے جسے گانے کے لیے کہیں تو وہ نہ گائے اور جب چپ ہونے کے لیے کہیں تو چپ نہ ہو۔ پہلے بڑے گلوکار گاتے تو جنگل میں آگ لگ جاتی' اب بھی گانے سے آگ لگ جاتی ہے جو اکثر رشتہ داروں اور دوسرے گلوکاروں کو لگتی ہے۔ میرا دوست "ف" کہتا ہے "میں ملکہ کو آنکھیں بند کر کے پسند کرتا ہوں۔" حالانکہ اسے آنکھیں بند کر کے تو مہدی حسن کو پسند کرنا چاہیے۔ وہ عطاء اللہ عیسیٰ خیلوی کا گانا سن کر بھی سر دھنتا ہے' میرا بھی دل عطاء اللہ کا گانا سن کر اس کا سر دھننے کو چاہتا ہے۔ کہتے ہیں موسیقی پیدا کرنا ایسے ہی ہے جیسے بچہ پیدا کرنا اور غلام فرید صابری کو گاتا دیکھ کر اس کا یقین بھی ہو جاتا ہے۔

وہ موسیقی کو استادوں سے زیادہ جانتی ہے۔ وہ تو استادوں کو بھی ان سے زیادہ جانتی ہے۔

میرا دوست "ف" کہتا ہے "جس میں میوزک سینس نہیں اسے پولیس میں بھرتی کرا دینا چاہیے اور جس کے پاس سینس کی میوزک نہیں اسے فوج میں بھیج دینا چاہیے۔" موسیقی روح کی غذا ہے' آج کل لوگ نہاتے وقت ضرور گاتے ہیں جس سے لگتا ہے موسیقی روح کا غسل ہے۔

ملکہ خیال ایسی گاتی ہے کہ ایک بار سن لو تو کسی اور کا خیال تک نہ آئے گا۔ جس طرح چراغ سے چراغ جلتا ہے ایسے یہ کئی گلوکارئیں اس سے جلتی ہیں۔ عورت کو مرد کے جسم کا جو حصہ سب سے اچھا لگتا ہے وہ کان ہیں ملکہ ہر مرد کے کانوں میں بستی ہے۔ اس نے جتنے گانے گائے ہیں' بچے کو سنانا شروع کریں تو سنتے سنتے اس کے کئی بچے ہو جائیں گے۔

وہ اکیلی کئی عورتوں جتنا کام کرتی ہے۔ اسے میک اپ کرتے دیکھ کر اس کا یقین بھی ہو جاتا ہے۔ کسی کو پریشان نہیں دیکھ سکتی' اس لیے جو پریشان ہو اسے نہیں دیکھتی۔ وہ بات بھی منہ پر کہہ دے گی جو کان میں کہی جاتی ہے۔ بندہ اس سے مل کر آئے تو لگتا ہے کئی عورتوں سے مل کر آرہا ہے اور ملنے جائے تو لگتا ہے کئی مردوں سے ملنے جا رہا ہے۔ غصے میں پورا مرد اور پیار میں پوری عورت ہوتی ہے۔ جنہیں نہیں جانتی انہیں یوں دیکھتی ہے جیسے اسے وہ دیکھتے ہیں جو اسے جانتے ہیں۔

فلمی خواتین کی شہرت کی دو وجوہات ہوتی ہیں: "ایک اداکاری اور دوسری کاری ادا۔" یوں بھی فلم انڈسٹری بغیر سکینڈل کے ایسے ہے جیسے مسجد بغیر نمازی کے۔ اداکاراؤں کو فلمی ستارے شاید کہتے ہی اسی لیے ہیں کہ دونوں قسم کے ستاروں کی قدر و قیمت بلکہ جس قدر قیمت ہوتی ہے رات کے اندھیرے میں ہوتی ہے۔ بقول "ف" دن دگنی اور رات چوگنی ترقی کرنے کا محاورہ بنا ہی اداکاراؤں کے لیے ہے۔ عمر کے علاوہ ان کی ہر چیز بڑی ہوتی ہے۔ اپنی جو عمر بتاتی ہیں اس حساب سے اکثر اپنے والدین کی وفات کے کئی سال بعد پیدا ہوئیں۔ ان کا تلفظ ان کے چال چلن کی طرح ہوتا ہے۔ چیہ

کو پیشہ کہتی ہیں' وہ تو گھرانہ بھی یوں بولتی ہیں جیسے کہہ رہی ہوں گھر آنا۔ ہر کام اپنی مرضی سے کرتی ہیں' اکثر تو پیدا بھی اپنی مرضی سے ہوئیں' ماں باپ کی مرضی نہیں تھی۔ کہتے ہیں منصوبہ بندی کے بغیر فلمی ہیروئنیں ترقی نہیں کر سکتیں۔ یہاں منصوبہ بندی سے مراد وہ نہیں جو آپ سمجھ رہے ہیں۔ کشش شکل ہو نہ ہو ان سے زیادہ کشش ثقل شاید ہی کسی میں ہو۔ ان کا پاؤں اکثر ایسا ہی رہتا ہے جیسا محاورتاً رہتا ہے۔

ضرورت پڑے تو کچھ بھی کر سکتی ہیں' یہاں تک کہ شریف بھی ہو سکتی ہیں۔ ضرورت کے وقت تو یہ والد کو باپ بنا لیتی ہیں۔ ملکہ چونکہ خاندانی ہے یعنی وہاں سے ہے جہاں سے یہاں کی ہوتی ہیں۔ اس لیے وہ ہر لحاظ سے مکمل ہیروئن رہی مگر چار شوہر قبل اس نے فلموں میں اداکاری چھوڑ دی' گھر میں کرنے لگی۔ یوں تو کسی اداکارہ کی زندگی میں اس کی غلطیوں کے علاوہ کوئی چیز اوریجنل نہیں ہوتی مگر ملکہ معظمہ نے پوری زندگی اوریجنل گزاری۔

کہتے ہیں عورت گالی دیتی اچھی نہیں لگتی' حالانکہ گالی سے عورت نکال دی جائے تو گالی بھی گالی نہیں رہتی۔ ملکہ معظمہ جس سے ناراض ہو اسے پاس بلا کر گالی دے گی اور جس سے خوش ہو اس کے پاس جا کر گالی دے گی۔ اس سے پوچھو کہ کون کون سے مہینے ہوتے ہیں تو کہے گی "پہلا' دوسرا' تیسرا' چوتھا' پانچواں' چھٹا' ساتواں' آٹھواں اور نواں مہینہ" کبھی رائے نہیں دی ہمیشہ فیصلہ دیا' کئی بار فیصلہ لیا بھی۔ ایک نظر میں پہچان لیتی ہے کہ آدمی اچھا ہے یا برا۔ جسے نہ پہچان سکے اس سے شادی کر لیتی ہے۔

ہر جگہ اسے وی۔ آئی۔ پی ٹریٹمنٹ ملتی ہے۔ اگر یہ سلوک نہ ہو تو سمجھ جاتی ہے کہ اب وہ اپنے گھر میں ہے۔ گھر میں وہ ملکہ ترنم کی بجائے ملکہ ترحم ہوتی ہے۔

اولاد کو کبھی نصیحت نہیں کی۔ جب بھی کی' اولاد نے کی۔ میک اپ اور زرق برق لباس میں خود کو اس قدر مصنوعی بنائے رکھتی ہے کہ اس سے پیار کرنا مصنوعات کی حوصلہ افزائی کرنا ہے۔ پسندیدہ لباس ساڑھی ہے' یہ وہ مشرقی لباس ہے جس میں میٹروں کپڑے

سے وہی کام لیا جاتا ہے جو ہالی وڈ میں ہیرو سے لیا جاتا ہے۔ یعنی خواتین پر لپیٹا جاتا ہے۔ یوں بھی یہ واحد لباس ہے جس میں کسی بھی لمحے یہ پتہ نہیں چلتا کہ آپ اس کو پہن رہے ہیں یا اتار رہے ہیں۔

شوکت حسین رضوی سے بھی اختلافات کی وجہ سے طلاق لی لیکن اب دونوں متفق ہیں کہ ایک صورت تھی جس سے بات کبھی طلاق تک نہ پہنچتی' وہ یہ تھی کہ شادی نہ ہوتی۔

ملکہ اس قدر مرضی چلاتی ہے کہ مرضی مرض کا مونث لگتی ہے۔ پچھلی سیٹ پر بیٹھ کر کار ڈرائیو کرتی ہے۔ اسے دیکھ کر بے اختیار لوگ کھنچے چلے آتے ہیں۔ "تف" کہتا ہے۔ نہیں' با اختیار بھی کھنچے چلے آتے ہیں' شیخ برادری سے ہے۔ اس لیے آمدنی کے بارے میں کہتی ہے۔ "پہلے' مہینے کے دو سو ہو جاتے تھے' اب دو ہزار ہو جاتے ہیں۔"

اس کا چہرہ دیکھ کر آپ بے شک یہ نہ کہیں کہ خدا نے اسے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے' یہ کہہ سکتے ہیں کہ پلاسٹک سرجن نے اسے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے۔ جس سے ناراض ہو وہ پریشان رہتا ہے کہ پتہ نہیں کیا کر دے' جس سے خوش ہو وہ بھی اسی لیے پریشان رہتا ہے۔ اسے ایسے لوگ اچھے نہیں لگتے جو آج یہاں ہیں تو کل پھر یہاں ہیں۔

اس کے بیٹوں سے ان کے والد کا نام پوچھو تو وہ اس کا بتائیں گے اور موصوفہ کے والد سے کوئی ان کے بیٹے کا نام پوچھتا تو وہ بھی اسی کا نام لیتا۔ منٹو نے اسے سرور جہاں لکھا۔ اگر سرور سر کی جمع ہے تو وہ واقعی سرور جہاں ہے۔ راگ کی رگ رگ جانتی ہے اور اس کی رگ رگ میں راگ ہے۔ دیکھنے میں موسیقی یقیناً ملکہ جیسی ہی ہو گی۔ ہر سال اس کی عمر کئی سال بڑھ جاتی ہے۔ آج سے پچاس سال قبل اس کا گانا سن کر کسی نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ یا تو یہ جلد مر جائے گی یا پھر کبھی نہیں مرے گی۔

• خود کشی کرنا

میرے ایک صحافی دوست نے پوچھا "تم کیسے مرنا پسند کرو گے؟" میں نے کہا "میں تو اپنی مرضی سے مرنا چاہوں گا۔" اور اس نے اخبار میں لکھ دیا کہ میں خودکشی کرنا چاہتا ہوں! حالانکہ خودکشی کرنے والا بیچارہ اپنی مرضی سے کہاں مرتا ہے؟ وہ تو یہ سب دوسروں کی مرضی کرتا ہے۔ خودکشی تو وہ قتل ہے جو ہم سب مل کر کرتے ہیں اور اس قتل کا الزام ہمیشہ مقتول پر ہی لگتا ہے۔

کہتے ہیں جو کچھ نہیں کر سکتا وہ خود کشی کر لیتا ہے۔ حالانکہ جو اپنی زندگی ختم کر سکتا ہے وہ سب کچھ کر سکتا ہے۔ یہ ہرایرے غیرے کا کام نہیں' بڑے حساس اور بہادر لوگ ہی ایسا کام کر سکتے ہیں۔ یقین نہ آئے تو کر کے دیکھ لیں۔ یہ واحد جرم ہے جس کی صرف اس کو سزا ملتی ہے جو ناکام ہو جائے۔ کامیاب کی تو اخبارات میں مختلف پوزوں میں تصویریں چھپتی ہیں۔

خود کشی کرنے میں اگر کوئی برائی ہے تو وہ یہ کہ سب کچھ خود کرنا پڑتا ہے۔ ورنہ مرنے سے کون ڈرتا ہے؟ ہمارے ہاں تو ہر مرد عورت جہاں موقع ملے ایک دوسرے پر مرنے کے لیے تیار رہتے ہیں۔ محبوبہ سے یہی وعدہ کیا جاتا ہے کہ میں تمہاری خاطر جان قربان کردوں گا! "ف" نے بھی یہی وعدہ کیا مگر محبوبہ چھوڑ گئی کہ آخر کب تک تمہارا وعدہ پورا ہونے کا انتظار کروں گی؟ یوں بھی موت محبت کی دریافت ہے۔ اگر قابیل کو محبت نہ ہوتی تو وہ ہابیل کو نہ مارتا اور یوں دنیا کو موت کا پتہ ہی نہ چلتا۔ انسان کو اشرف المخلوقات بنانے والی یہی موت ہے کہ انسان وہ اکیلا جاندار ہے جسے پتہ ہے اسے موت آنی ہے۔ موت نہ ہوتی تو یہ دنیا کتنی عجیب ہوتی۔ دو ہزار سالوں کی بچی اپنی دادی سے کہانی سننے کی ضد کر رہی ہوتی۔ ہر باپ کا علیحدہ سکول ہوتا جہاں وہ اپنے بیٹوں کو ان کے بھائیوں کے نام یاد کراتا۔ سوہنی مہیوال' ہیر رانجھا اور مرزا

صاحبان وغیرہ کی شادیاں اور طلاقیں ہو چکی ہوتیں۔

جنگ موت کی جوانی اور امن اس کے بڑھاپے کا نام ہے' اسی لیے جنگ میں بوڑھے اپنے جوانوں کو دفناتے ہیں اور امن میں جوان اپنے بوڑھوں کو۔ خودکشی بندہ اس لیے نہیں کرتا کہ وہ دنیا میں رہنے کے قابل نہیں رہا' اس لیے کرتا ہے کہ دنیا اس کے رہنے کے قابل نہیں رہتی۔

ہمارے ہاں زندہ اور مردہ میں یہ فرق ہے کہ جس کی ہم صرف خوبیاں بیان کریں وہ مردہ ہے۔ اس لحاظ سے تو آج کل ہر ادیب و شاعر یہی چاہتا ہے کہ خدا کے لیے مجھے مردہ سمجھیں۔ ویسے مردے کو یہ فائدہ ضرور ہے کہ آپ اسے پاسپورٹ کے بغیر جس ملک میں چاہیں لے جا سکتے ہیں۔ میرا دوست "ف" کہتا ہے "صرف خوبیاں تو فرشتوں میں ہی ہو سکتی ہیں اور فرشتہ بننا کونسا مشکل کام ہے' میں تو کتے کو دیکھتے ہی فرشتہ بن جاتا ہوں یعنی اس گھر میں نہیں جاتا جہاں کتا ہو۔"

زمانہ قدیم سے یہ سمجھا جاتا تھا کہ پیدا ہونا اور مرنا دو ایسے کام ہیں جو انسان کے بس میں نہیں' لیکن انسان نے محکمہ منصوبہ بندی بنا کر اور خودکشی متعارف کرا کر ثابت کیا کہ یہ دو کام بھی انسان اور جاپان کے بس میں ہیں۔ دنیا میں کسی کو پتہ نہیں ہوتا اس نے کس دن کتنے بجے مرنا ہے سوائے اللہ کے برگزیدہ بندوں اور خودکشی کرنے والوں کے۔ وہ تو اپنے چہلم کی تاریخ اور مہینہ تک مقرر کر سکتے ہیں۔ کہتے ہیں خودکشی کرنے والا اچھا آدمی نہیں ہوتا۔ اگر یہ بھی مان لیں کہ وہ بہت برا آدمی ہے' پھر بھی اس نے اچھا کام کیا کہ ایک برے آدمی کو ختم کیا۔

موت کے بعد آدمی زمین میں دفن ہوتا ہے۔ مقتول تھانوں اور عدالتوں کی فائلوں میں' جبکہ قاتل کی قبر اس کا اپنا وجود ہوتا ہے مگر خودکشی کرنے والا سارے معاشرے کو دفن کر دیتا ہے اور خود ننگا ہو جاتا ہے' اس کی نماز جنازہ نہیں ہوتی' ظاہر ہے نماز جنازہ تو مردوں کی ہوتی ہے۔ کہتے ہیں خودکشی کرنیوالا دراصل خود کو کسی جرم کی سزا دیتا ہے۔ تو اس سے بڑا آدمی کون ہے جو خود کو اپنے جرم کی سزا دیتا ہے۔ خودکشی کو

جرم شاید اسی لیے رکھا گیا ہے کہ یہ ہونے لگا تو پھر عدالتوں کا کیا کام رہے گا؟ تھانے والوں کے بیوی بچے کہاں سے کھائیں گے؟

سگریٹ وہ واحد ٹھوس شے ہے جو ہم پیتے ہیں۔ سائنس دان کہتے ہیں سگریٹ پینا دراصل خودکشی کرنا ہے۔ اس لحاظ سے تو "ف" سارا دن لوگوں کو خودکشی سے بچاتا رہتا ہے کہ جونہی اس نے کسی کے ہاتھ میں سگریٹ دیکھی فوراً اسے بچانے کے لیے اچک لی۔

یوں بھی آج کل شہروں میں اتنا دھواں ہے کہ ان کی فضا میں ایک دن سانس لینے سے بندہ اتنا دھواں اندر لے جاتا ہے جتنا ایک ڈبی سگریٹ پینے سے۔ یوں ہمارا جینا بھی تو دراصل قسط وار خودکشی کرنا ہی ہے۔ عشق کرنا' بسوں ' ویگنوں میں سفر کرنا' سڑک پر چلنا' سچ بولنا ان سب کاموں میں جان جاتی ہے۔ سو یہ کام کرنا بھی خودکشی کرنا ہی ہے۔

خودکشی کرنا کوئی آسان کام نہیں' پوری دنیا میں ایک شخص بھی ایسا نہ مل سکے گا' جو یہ کہہ سکے کہ میں نے یہ کام کیا ہے۔ جو بھی ملے گا شرمندہ سا ہو کر کہے گا کوشش کی تھی کامیاب نہ ہو سکا۔

ہم جسے بڑا رہنما مانتے ہیں اس کے سارے کام اپنے ہاتھوں سے کرنا سعادت سمجھتے ہیں۔ یہاں تک کہ اسے خود سے مرنے بھی نہیں دیتے۔ یہ تو اچھا ہوا ہمارے ہاں بڑے آدمی پیدا ہونے کم اور مرنے تو بالکل کم ہو گئے ہیں۔ ورنہ اس کا ہمارے نظام تعلیم پر بہت برا اثر پڑتا۔ طلبہ کو ہر روز کسی نہ کسی بڑے آدمی کے یوم پیدائش کی خوشی میں چھٹی ہوتی یا اس کی وفات کی۔

خودکشی دوسروں کی حرکتوں کی وجہ سے ہوتی ہے اور قتل اپنی حرکتوں کے باعث' مقتول بھی اپنے قتل میں کسی نہ کسی طور شامل ہوتا ہے اور قاتل دوسرے کے ساتھ تھوڑا بہت خود کو بھی قتل کرتا ہے۔ کہتے ہیں خودکشی کرنے والا دراصل خود کو قتل کرتا ہے۔ حالانکہ وہ قاتل نہیں کہ قاتل ظالم ہوتا اور خودکشی کرنے والا مظلوم۔

میرا دوست "ف" کہتا ہے "بندوق چلانا آتی ہو تو گولی سے بہتر خودکشی کے لئے کوئی

چیز نہیں کہ عوام سے لے کر حکام تک اس سے مستفید ہو سکتے ہیں کیونکہ گولی انسان اور جانور میں تمیز نہیں کرتی۔" حالانکہ گولی سے ہی تو انسان اور جانور کی تمیز ہوتی ہے۔ اگر گولی کسی انسان کو لگتی ہے تو چلانے والا یقیناً جانور ہے۔ ویسے پانی میں خودکشی کرنے کا یہ فائدہ ہے کہ آپ کو چوٹ نہیں لگتی تیرنا نہ آتا ہو پھر بھی خود کشی کر سکتے ہیں۔

شوپنہار کہتا ہے "بندے کے لئے سب سے بہتر یہ ہے کہ وہ پیدا ہی نہ ہو اور اگر پیدا ہو جائے تو اس کے لئے سب سے بہتر ہے کہ وہ خود کشی کر لے۔" اس نے ٹھیک ہی کہا اگر بندہ خودکشی نہیں کرے گا تو پھر ایسی باتیں ہی کرے گا "ق" کہتا ہے "خود کشی کرنا کوئی بڑا کام نہیں' آج تک جس نے بھی خود کشی کی چھوٹی سی بات کے لئے کی۔" حالانکہ اسے یہ پتہ نہیں کہ جس نے بھی کسی بڑی بات کے لئے اپنی جان لی ہم نے اسے خودکشی کہا ہی نہیں۔

جس نے کبھی خودکشی کرنے کا نہیں سوچا دراصل اس نے کبھی تنہائی میں اپنے بارے میں سوچا ہی نہیں۔ اسی لئے تو مشہور دانشور والٹیر کہتا ہے "خود کشی سے بچنا چاہتے ہو تو اپنے آپ کو مصروف رکھو۔"

○○○

• کچھ عاشق کے بارے میں

شاعری، گلوکاری اور اداکاری کی طرح عشق کرنا بھی فنون لطیفہ میں سے ہے۔ دنیا میں تین قسم کے عاشق ہیں۔ ایک وہ جو خود کو عاشق کہتے ہیں دوسرے وہ جنہیں لوگ عاشق کہتے ہیں اور تیسرے وہ جو عاشق ہوتے ہیں۔ میرا دوست "ف" کہتا ہے "عاشق دراصل آشک ہے کہ وہ اتنا محبوب سے پیار نہیں کرتا جتنا شک کرتا ہے۔"

ہمارے ہاں جتنے بھی اچھے عاشق ملتے ہیں وہ کتابوں میں ہیں یا قبرستانوں میں۔ کسی عاشق کے بارے میں جاننے کے لئے کہ وہ سچا عاشق ہے یا نہیں، اس سے یہ پوچھو کہ کیا تم سچے عاشق ہو؟ اگر وہ اپنے منہ سے خود کو سچا عاشق کہے تو سمجھ لیں جھوٹا ہے اور اگر وہ کہتا ہے "نہیں" تو بات واضح ہے۔

کامیاب عاشق وہ ہوتا ہے جو عشق میں ناکام ہو، کیونکہ جو کامیاب ہو جائے وہ عاشق نہیں خاوند کہلاتا ہے۔ شادی سے پہلے وہ بڑھ کر محبوبہ کا ہاتھ پکڑتا ہے، اپنی محبت کے لئے جب کہ شادی کے بعد وہ بڑھ کر بیوی کا ہاتھ پکڑتا ہے اپنے بچاؤ کے لئے۔ جو شخص یہ کہے کہ اس کی بیوی نے کبھی اس کی حکم عدولی نہیں کی، یہ وہ شخص ہے جس نے کبھی اپنی بیوی کو حکم ہی نہیں دیا۔ ویسے بھی محبوبہ میں سب سے بڑی خوبی یہی ہوتی ہے کہ بندے کو اسے طلاق نہیں دینا پڑتی۔ عورت کا عشق مرد سے ہزار درجے بہتر ہے کیونکہ عورت کو عشق میں کامیابی کی صورت میں کسی عورت کے ساتھ شادی تو نہیں کرنا پڑتی۔

میرا دوست "ف" کہتا ہے "عاشق ہونا اور بات ہے اور عاشق لگنا اور! حالانکہ عاشق لگنا کونسا مشکل ہے، ایک ہفتہ بندہ پانی نائی اور دھوبی سے پرہیز کرے تو بڑے سے بڑے عاشق کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ سچا عاشق وہ ہوتا ہے جو جتنی بار عشق کرتا ہے سچا کرتا

ہے۔ کہتے ہیں عاشق خوبصورت نہیں ہوتے' اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ جو خوبصورت ہوتے ہیں وہ عاشق نہیں ہوتے'لوگ ان پر عاشق ہوتے ہیں۔ عاشقوں کی تعداد تیس سال کی عمر تک سو فیصد' پچاس سال کی عمر میں پچاس فیصد اور ستر سال کی عمر تک ایک دو فیصد رہ جاتی ہے' کیونکہ وہ ایک دو فیصد ہی عاشق ہوتے ہیں جو ستر سال تک رہ جاتے ہیں۔

دوسرے کو پریشان کرنے کے دو ہی طریقے ہیں یا تو اس کی ناکامیوں کا ذکر کرو جو اس میں ہیں یا اس کی ان خوبیوں کا ذکر کرو جو اس میں نہیں ہیں اور عاشق یہی کرتا ہے' وہ محبوب کا نقشہ کھینچ رہا ہو تو لگتا ہے محبوب کی کھنچائی کر رہا ہے۔ جیسے ناگن زلفیں یعنی بالوں کی جگہ لٹکتے ہوئے سانپ' سرو قد یعنی جوں جوں اوپر سے نیچے آتا ہے پھیلتا جاتا ہے' چاند چہرہ یعنی چاند کی طرح گڑھوں اور داغ دھبوں والا' پھر ہرنی جیسی چال یعنی چارپایوں کی طرح چلنا! شاید وہ اسی لئے کہتا ہے کہ اس کے محبوب جیسا پوری دنیا میں نہیں۔

عاشق نے ہمیشہ محبوب کو ملزم سمجھا۔اس پر اپنے سپئیر پارٹس کی چوری کا الزام۔ دل' جگر' نیند وغیرہ کی گمشدگی کا پرچہ بھی محبوب کے نام کٹایا' یہاں تک کہ اس کو سرعام قاتل کہا۔ اس دنیا میں جلسے جلوسوں کا بانی بھی یہی عاشق ہی ہے کہ اس نے سب سے پہلے محبوبہ کا جلوس نکالا۔

کوئی نہیں کہہ سکتا کہ عاشق' بے وقوف ہوتا ہے یا عقل مند کیونکہ عشق وہ کام ہے جسے عقلمند اور بے وقوف اکٹھے شروع کر دیں تو ہفتہ بعد ہی ان میں الگ الگ تمیز مشکل ہو جائے گی۔ بہر حال عشق کرنے سے پہلے بندہ اتنا تو عقل مند ہونا چاہیے کہ اسے پتہ ہو کہ اس کام کا عقل سے کوئی تعلق نہیں۔

عاشق' شاعر اور پاگل ان تینوں پر اعتبار نہیں کرنا چاہیے' کیونکہ یہ خود کسی پر اعتبار نہیں کرتے۔ اس دنیا میں جس شخص کی بدولت عاشق کی تھوڑی بہت عزت ہے وہ رقیب ہے۔ جب رقیب نہیں رہتا تو اچھے خاصے عاشق اور محبوب میاں بیوی بن جاتے ہیں۔ کہتے

ہیں رقیب اور عاشق کی نہیں بنتی۔ حالانکہ رقیب ہی تو دنیا کا واحد شخص ہوتا ہے جس سے عاشق کا اتفاق رائے ہوتا ہے۔ جسے عاشق پسند کرتا ہے وہ بھی اسے پسند کرتا ہے' جس پر عاشق' بلکہ سچا اور حقیقی عشق تو ہوتا ہی وہ ہے جس میں رقیب حبیب ہو۔ سچا عاشق وہ ہوتا ہے جو محبوب کے لئے زندگی قربان کر دے اور مردہ سچے عاشق سے زندہ جھوٹا عاشق بدرجہا فائدہ میں رہتا ہے۔ عشق کرنا تو نشہ کرنا ہے جس کے لئے بندہ کسی بھی لذت ماب کے سامنے جھکنے پر تیار ہو جاتا ہے۔ عاشق محبوب کو عارضی خوشی دیتا ہے اور مستقل خوشی لے لیتا ہے۔ میرا دوست "ف" ایک ہی نظر میں عاشق ہو جاتا ہے' کہتا ہے "میرے ساتھ کوئی دوشیزہ مخلص نہیں نکلی' جو مخلص نکلی وہ دوشیزہ نہیں نکلی" اس کی کلاس میں تیس لڑکیاں تھیں ان میں سے ایک لڑکی اس لئے ناراض رہتی کہ وہ اسے توجہ نہ دیتا اور باقی انتیس اس لئے کہ وہ توجہ دیتا۔ وہ عشق میں ہمیشہ سرخرو ہوتا اور اس کے ہر بار "سرخرو" ہونے میں اس کی محبوبہ کے بھائی کا ہاتھ ہوتا۔

اس دنیا کا پہلا جرم ایک عاشق نے اپنے بھائی کا قتل کرکے کیا۔ عشق اور جرم جڑواں بھائی ہیں۔اس دنیا کے آدھے جھوٹ ناکام عاشقوں یعنی خاوندوں نے بولے ہیں۔ عاشق وہ واحد فرد ہے جو محبوب کی ترقی نہیں چاہتا کہ کہیں یہ اس کی پہنچ سے باہر نہ ہو جائے۔ ایک دوست عاشق بن سکتا ہے لیکن جو ایک بار عاشق بن جائے پھر کبھی دوست نہیں بن سکتا۔

عشق میں عقل نہیں شکل دیکھتے ہیں۔ شاید اسی لئے اللہ نے جنت میں بھی حسین حوروں کا وعدہ کیا ہے۔ ذہین حوروں کا نہیں! لیکن یہ بھی غلط ہے کہ عاشق عقل استعمال کرتا بلکہ وہ تو عشق میں ساری عقل استعمال کر دیتا ہے۔ عشق اور لڑائی میں سب جائز ہے۔ اس سے اندازہ لگا لیں کہ عشق کتنا جائز ہے؟

عاشقی میں مرد کی عمر عورت سے زیادہ ہے۔ یوں بھی عورت تو ہمیشہ سے کم عمر ہے کیونکہ جس وقت پہلا مرد بھرپور جوان تھا' اس وقت تو یہ پیدا ہوئی تھی۔ لیکن عشق میں اس

نے ہر قسم کے حالات کا مردانہ وار مقابلہ کیا اور اس کا نام ہمیشہ مردوں سے پہلے آیا جیسے سسی پنوں' ہیر رانجھا' سوہنی مہینوال' لیلیٰ مجنوں وغیرہ۔ مرد کم ہی چوٹی کے عاشق گزرے ہیں اکثر عورتیں ہی "چوٹی" کی عاشق ہوتی ہیں۔ بہرحال یہ کوئی ضروری بھی نہیں کیونکہ ہیئر سٹائل تو بدلتے رہتے ہیں۔ ویسے عشق میں عورت کی برتری ہے کیونکہ زنانہ قمیص کا تو بٹن ایک بار کھل جائے تو پھر بندے سے ساری عمر بند نہیں ہوتا۔ عورت کے لئے اس شخص کو محبت کا یقین دلانا جس سے محبت نہیں کرتی' اس شخص کی نسبت آسان ہوتا ہے جس سے وہ محبت کرتی ہے۔

گھڑی کی سوئی اوقات بتاتی ہے' انسانی جسم بھی گھڑی ہے' زبان اس کی سوئی ہے جو بندے کی اوقات بتاتی ہے۔ جب عاشق کہتا ہے وہ محبوب کے لئے تارے توڑ کر لا سکتا ہے تو وہ اس کی تخریب پسند طبیعت کا پول کھول دیتی ہے کہ وہ ہر چیز توڑ سکتا ہے' بلکہ وہ تو ہر وقت محبوب کو ادھر ادھر سے توڑنے میں لگا رہتا ہے۔

عشق وہ مرض ہے جس کا جوانی لیوا حملہ پہلی عمر میں ہوتا ہے' جوں جوں عمر بڑھتی ہے یہ مرض گھٹتا جاتا ہے۔ ویسے بھی بوڑھا عاشق جوان عاشق سے زیادہ اچھا ہوتا ہے کہ بوڑھا عاشق صرف آپ کا حال خراب کرتا ہے اور جوان عاشق مستقبل بھی خراب کردیتا ہے۔ اس مرض سے نئی نسل کو بے زار کرنے کے لئے واحد حل یہی ہے کہ اسے نصاب میں شامل کر دیا جائے۔

مرد یہ کہہ کر عورت کا دل جیت سکتا ہے کہ میں تم سے عشق کرتا ہوں' بشرطیکہ وہ واقعی اس سے عشق نہ کرتا ہو۔ محبوبہ اس عاشق کو تو معاف کر دیتی ہے جو موقع سے غلط فائدہ اٹھائے مگر اس کو معاف نہیں کرتی جو موقع سے فائدہ نہ اٹھائے۔

عاشق پہاڑ کی چوٹی سے بھی کود سکتا ہے' بشرطیکہ یہ چوٹی گہری ہو۔ وہ محبوبہ کی خاطر بحر ظلمات میں گھوڑے دوڑا سکتا ہے بشرطیکہ بحر ظلمات میں پانی نہ ہو۔ عاشق بہت دور تک ساتھ جانے کے لئے عشق نہیں کرتا۔ بلکہ وہ تو بہت پاس تک آنے کے لئے سب کرتا ہے۔ محبت اندھی ہوتی ہے اسی لئے عاشق اور محبوب جب ملتے ہیں تو اندھوں کی

طرح ایک دوسرے کو ٹٹول ٹٹول کر پہچاننے کی کوشش کرتے ہیں۔

نہانے سے سو بیماریاں دور رہتی ہیں اور نہ نہانے سے جو بیماریاں دور رہتی ہیں ان میں ایک محبوبہ بھی ہے۔ اردو شاعری میں تو عاشق ہیرو سے زیادہ ہیرو شیما نظر آتا ہے' اگر اس کو نہلایا جائے تو اس کا وزن کئی پونڈ کم ہو جائے۔

دولت سے محبت نہیں ملتی اور غربت سے محبوبہ نہیں ملتی۔ کہتے ہیں بندہ اس سے عشق کرتا ہے جس پر اعتبار ہو۔ حالانکہ انسان کی فطرت یہ ہے کہ جس پر اعتبار ہو اس سے عشق نہیں کرتا۔ اسے تو زندگی بھی صرف اس لئے پیاری ہے کہ اس کا اعتبار نہیں۔

سب سے قیمتی عاشق فلموں میں ملتے ہیں کیونکہ عشق کرنے سے انہیں محبوبہ نہیں معاوضہ ملتا ہے' شاید اسی لئے وہ سچا عشق کرتے ہیں۔ کیکاؤس کہتا ہے "وہ انسان ہی کیا جو عاشق نہ ہو" مگر میں کہتا ہوں "وہ عاشق ہو اور کچھ نہ ہو اور وہ شخص بھی اچھا نہیں ہو سکتا جس کے دل میں سب کچھ ہو اور عشق نہ ہو۔

○○○

• بائیں کاندھے کا فرشتہ

ہمارے ہاں اکثر شاعر ادیب کہتے ہیں کہ انہوں نے پہلی جماعت ہی میں لکھنا شروع کر دیا تھا۔ ان کی تحریریں پڑھ کر ایسا ہی لگتا ہے۔ لیکن ممتاز مفتی کو پڑھ کر لگتا ہے انہوں نے جوانی میں لکھنا شروع کیا اور نصف صدی قبل مفتی صاحب کی عمر جوانی پر آکے رک گئی۔

ممتاز مفتی کا قد کاٹھ ایسا ہے کہ بندہ اسے ایک آنکھ بند کرکے بھی دیکھ سکتا ہے۔ اپنی شکل و صورت میں اس قدر نقص نکالتے ہیں کہ لگتا ہے کہ انہیں اللہ نے نہیں پی ڈبلیو ڈی نے بنایا ہے۔ کانوں سے نہیں آنکھوں سے سنتے ہیں۔ بولتے بھی آنکھوں ہی سے ہیں۔ کہتے ہیں "مجھے زبان پر قدرت نہیں" ٹھیک کہتے ہیں انہیں اپنی زبان پر قدرت نہیں البتہ اردو زبان پر ہے۔

عورتیں اسی مقصد کے لئے شادی کرتی ہیں جس کے حصول کی خاطر مرد شاعری کرتے ہیں لیکن اب والان سے میدان تک لڑکیاں لڑکوں سے آگے ہیں۔ میں اس کا چشم دید گواہ ہوں کہ میں نے کالج میں لڑکوں کو ہمیشہ لڑکیوں کے پیچھے ہی دیکھا ہے۔ مگر ممتاز مفتی عورت مرد دونوں کو ایک آنکھ سے دیکھتے ہیں۔ اگر عورت عیار اور مکار ہو تو مقصد بھی وہی جو ایک آنکھ بند کرکے دیکھنے کا ہوتا ہے۔ وہ بچوں کو اس قدر پسند کرتے ہیں کہ جب بھی عشق کیا بچوں والی عورت سے کیا۔ لڑکیاں تو اس کے لئے سپریم کورٹ ہیں یعنی نو اپیل۔ خوبصورت عورت کے منہ سے ہاں ایسا ہی لگتا ہے جیسے خوبصورت کے منہ سے ناں۔ لیکن وہ محبت بھی اس سے کریں گے جس سے زیادہ سے زیادہ ہمدردی ہی کی جا سکتی ہے اور وہ بھی یوں جیسے مفتی مفت کی مونث ہو۔

ہر وقت عورتوں پر جان اور پان چھڑکنے کے لئے تیار ہوتے ہیں۔ انہیں مردوں کے چہرے یاد نہیں رہتے' انہیں تو اپنا چہرہ یاد نہیں رہتا اور یہی ان کے خوش رہنے کا راز ہے۔

قدرت اللہ شہاب کے ساتھ رہنے سے اس قدر مذہبی ہو گئے ہیں کہ دائیں بائیں عورتیں بیٹھی ہوں تو لگتا ہے بار بار سلام پھیر رہے ہیں۔

دنیا میں جو فقرے سب سے کم توجہ سے سنے جاتے ہیں وہ نصیحت کے ہوتے ہیں اور جو سب سے زیادہ انہماک سے سنے جاتے ہیں وہ وصیت کے۔ مفتی صاحب کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ کبھی نصیحت نہیں کرتے۔ یہ الگ بات ہے کہ انہیں دیکھ کر بندے کا دل بے اختیار نصیحت کرنے کو چاہنے لگتا ہے۔

ان کے ہاں توازن نہیں۔ کبھی وہ الہی و اہلیہ کے سامنے عبادت گزار لگتے ہیں تو کبھی عدت گزار۔ خدا سے یوں محبت کرتے ہیں جیسے کسی عورت سے کر رہے ہوں اور عورت سے یوں جیسے خدا سے۔

ممتاز مفتی کے ہاں جس کی لاٹھی' اس کی لاٹھی ہی ہے۔ بھینس تو رانجھا ہی چارے' گا۔ انہیں رانجھا اچھا لگتا ہے کیونکہ پنجاب میں جو کسی عورت کو شادی سے پہلے بھگا کر لے جائے اسے مرزا اور جو شادی کے بعد بھگائے اسے رانجھا کہتے ہیں۔

اس قدر سادہ ہیں کہ اگر کوئی ان سے رائے مانگے تو سچ سچ رائے دے دیتے ہیں تنہائی پسند ہیں یعنی جسے پسند کرنا ہو تنہائی میں کرتے ہیں۔ کبھی کسی کے محتاج نہیں رہے۔ انہیں پتہ تھا کہ ایک عمر آتی ہے جب مرد کو حکیم کا محتاج ہونا پڑتا ہے اور انہوں نے وقت آنے سے پہلے ہی حکمت سیکھ لی۔

اس قدر سچے آدمی ہیں کہ جھوٹ بھی بولیں تو لگتا ہے جھوٹ بول رہے ہیں۔ دوران گفتگو وہ نہیں سنتے جو آپ کہہ رہے ہیں' وہ سنتے ہیں جو آپ نہیں کہہ رہے۔اچھی بات نہیں کرنا چاہتے مگر یہ چاہتے ہیں کہ ان کی بات اچھی لگے۔ ان کی باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ بندہ سوچتا ہے سمجھنے کا کوئی فائدہ نہیں اور کہانیاں ایسی کہ بندہ سمجھتا ہے سوچنے کا کوئی فائدہ نہیں۔

سننے میں بوڑھے ' کہنے میں جوان اور کرنے میں بچے۔ انہوں نے اپنی دنیا بنائی' دنیا کو اپنا نہیں بنایا۔ اپنی حماقتیں یوں بیان کرتے ہیں جیسے کارنامے بیان کر رہے ہوں اور

کارنامے یوں بتاتے ہیں جیسے حماقتیں گنوا رہے ہوں۔ جس لئے ہم جھوٹ بولتے ہیں اسی مقصد کے لئے وہ سچ بولتے ہیں۔

وہ مختلف حالات کے لئے پہلے خود کو ذہنی طور پر تیار کرتے ہیں۔ اگر انہوں نے خود کو غم کے لئے تیار کیا ہو اور اچانک خوشی مل جائے تو انہیں بڑا غم ہو گا۔

ان کی اور ان کے کمرے کی بے ترتیبی دیکھ کر لگتا ہے کہ جتنی محنت سے یہ بے ترتیبی پھیلائی گئی ہے اس سے کم محنت اور وقت میں ترتیب لگائی جا سکتی ہے۔ ست اس قدر ہیں کہ پچاسی سال کی عمر میں وہ کام کرتے ہیں جو انہیں پچیس سال کی عمر میں کر لینے چاہئیں تھے۔

ان کی لمبی عمر اور صحت کا راز ڈاکٹروں کے مشوروں میں ہے یعنی ڈاکٹروں نے جو مشورہ دیا' انہوں نے بالکل الٹ کیا اور صحت مند رہے۔ انہوں نے اپنی زندگی سے یہ سبق سیکھا کہ زندگی سے سبق نہیں سیکھنا چاہیے۔

لکھنے سے پہلے نہیں سوچتے' اسی لئے ان کا لکھا پڑھنے سے پہلے سوچنا پڑتا ہے۔ جتنا انہوں نے لکھا اتنا تو ہمارے ادیب پڑھتے نہیں۔ "مفتیانے" اور "علی پور کا ایلی" تو اس قدر وزنی ہیں کہ لگتا ہے آج نہیں تو کل کوئی نہ کوئی سلمنگ سنٹر انہیں اپنے نصاب میں ضرور شامل کر لے گا۔ کہتے ہیں ممتاز مفتی کی تحریریں پڑھ کر بچہ جوان ہو جاتا ہے۔ مجھے بوڑھے ایسے ہی لگتے ہیں جیسے بڑھاپا۔ لیکن جانتا ہوں جسے ہم پچاسی سالوں میں بوڑھا نہ کر سکیں اسے کبھی بوڑھا نہیں کر سکتے۔ اردو ادب میں لمبی لمبی عمر کے بچے تو ملیں گے' اتنا طویل عمر جوان نہ ملے گا جس کی وجہ سے ہم اردو افسانے کی تاریخ سنہ "ق-م" یعنی قبل مفتی میں لکھ سکتے ہیں۔

○○○

• مونچھیں تراشنا

مونچھیں تراشنا ایک مشکل فن ہے کہ بندہ ساری زندگی یہ کام کرنے کے بعد بھی ماہر نہیں ہوتا۔ البتہ وہ متحمل مزاج اور متوازن شخصیت کا مالک ضرور ہو جاتا ہے کہ مونچھیں تراشنا جلد باز اور انتہا پسند شخص کے بس کا روگ نہیں۔ مونچھیں تراشنے والا تو جیب تراش کی طرح ہوتا ہے کہ ذرا سی غلطی ہو جائے تو دونوں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہتے۔

شروع میں جب انسان کے پاس سر چھپانے کو جگہ نہ تھی قدرت نے اس کے سر پر بالوں کا جنگل اگا دیا جس میں وہ چھپ گیا۔ جب وہ عمر کے اس حصے میں پہنچا جہاں اسے منہ چھپانے کی ضرورت پیش آئی تو یہ جنگل پھیل کر اس کے چہرے تک آ گیا۔ پھر جب اس نے گارے اور پتھر کی دیواریں اوڑھیں تو وہی بال جنہیں وہ خود کو چھپانے کے لئے استعمال کرتا تھا انہیں تراش کر خود کو نمایاں کرنے کے لئے استعمال کرنے لگا۔ یوں انسانی تہذیب کی بنیاد اس دن پڑی جس روز پہلے انسان نے اپنے بال تراشے۔ شاید اسی لئے ہمارے ہاں ہر نئے پیدا ہونے والے بچے کو اس مہذب دنیا کا ممبر بنانے کے لئے سب سے پہلے ایک خصوصی تقریب میں اس کے بال ہی تراشے جاتے ہیں۔ بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں آج کے انسان اور جانور میں بس یہی فرق رہ گیا ہے کہ انسان بال تراشتا ہے' جانور نہیں۔۔۔

بچپن 'معصومیت اور جوانی اس سے بغاوت کا نام ہے۔ جبکہ بڑھاپا اس بغاوت کی سزا ہے۔ شاید اسی لئے جب بچہ معصومیت کی "حدود" پھلانگتاہے اور دوسروں کو نقصان پہنچانے کے قابل ہوتا ہے تو قدرت اس کے چہرے پر ناک کے نیچے بالوں کی ایک سیاہ لائن لگا دیتی ہے بلکہ ناک تو بنائی ہی مونچھوں کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ہے۔ یہ لائن اتنی پکی ہوتی ہے کہ آپ ساری زندگی استرا ہاتھ میں رکھیں پھر بھی اسے نہیں مٹا

سکتے' لیکن میرا دوست "ق" کہتا ہے "مونچھیں احتجاجی بینر ہیں جو ہم نے بچپن چھن جانے کے خلاف چہروں پر لٹکا رکھے ہیں۔" حالانکہ اس کی مونچھیں دیکھ کر تو یہی لگتا ہے یہ بینر اس کے چہرے پر نہیں بلکہ اس کا چہرہ بینر پر لٹکایا ہوا ہے۔ کہتا ہے "مچھ نہیں تو کچھ نہیں" واقعی اس کی مچھ نہ ہو تو کچھ نہیں رہتا۔ ذرا سی ہوا چلے تو اس کی مونچھیں یوں پھڑ پھڑانے لگتی ہیں جیسے کوئی پرندہ وزنی چیز اٹھانے کی کوشش میں ہو۔ دور سے دیکھو تو لگتا ہے جیسے اس نے سیاہ کپڑے میں منہ لپیٹ رکھا ہے۔ جب اس کی مونچھیں چھوٹی چھوٹی تھیں تو وہ انہیں اپنے ہاتھ سے گھی اور مکھن کھلاتا۔ اب تو ماشا اللہ اتنی بڑی ہو گئی ہیں کہ یہ کام خود ہی کرنے لگی ہیں۔ اس لئے وہ کھانا کھاتے وقت مونچھیں یوں اٹھائے ہوتا ہے جیسے سہرا اٹھا کر کھانا کھا رہا ہو۔ محلے میں کوئی بچہ شرارت کرے تو سزا کے طور پر اس کا منہ چومتا ہے۔ یہاں تک کہ کوئی نومولود پیدائش کے وقت نہ روئے تو فوری طور پر اس کا چہرہ دکھاتے ہیں۔ یہ صرف اس لئے ہے کہ موصوف میں مونچھیں تراشنے کی صلاحیت نہیں۔ کہتا ہے "مونچھیں تراشنے کے لئے صلاحیت کی نہیں بس قینچی کی ضرورت ہوتی ہے۔" اسے کون بتائے کہ اس کام کے لئے قینچی اتنی ضروری نہیں ہوتی جتنی عقل! بڑی مونچھیں بدمعاشی کا داخلہ فارم ہیں کیونکہ بے ترتیب مونچھوں والا دنیا میں کہاں ترتیب لائے گا وہ امن پسند نہیں ہو سکتا۔

مونچھیں چہرے کا لباس ہیں شاید اسی لئے عورتوں کی نہیں ہوتیں۔ مونچھیں تراشنا لباس کو ماحول' مرضی اور مزاج کے مطابق ڈھال کر پہننے کے قابل بنانے کا نام ہے۔ جیسے بچوں کی ساری شخصیت ان کی آنکھوں میں اور عورتوں کی دیکھنے والوں کی آنکھوں میں سمٹ آتی ہے۔ ایسے ہی مرد کی پوری شخصیت اس کی مونچھوں کی بناوٹ میں ہوتی ہے۔ یہ مردوں کا شناختی کارڈ ہیں۔ انہیں دیکھ کر یہ پتہ چلے نہ چلے کہ یہ کیا کرتا ہے یہ ضرور پتہ چل جاتا ہے کہ کیا کرنا چاہتا ہے۔

ہمارے ہاں مونچھ بلوغت کی علامت ہے اور داڑھی بلاغت کی۔ مونچھ کی علیحدہ حیثیت

اور شخصیت تو حکومت بھی مانتی ہے۔ جسم کے کسی اور حصے کا الاؤنس اس وقت ملتا ہے جب وہ نہ رہے اور مونچھ الاؤنس اس وقت جب یہ چہرے پر موجود ہو۔ مونچھ مرد کا زیور ہے۔ گاؤں میں تو مونچھیں منڈوا کر پھرنے سے بے پردگی ہوتی ہے اور بڑے بوڑھے سخت برا مناتے ہیں کیونکہ ان کی نظریں اتنی کمزور ہو چکی ہوتی ہیں کہ انہوں نے مونچھیں دیکھ کر ہی یہ اندازہ لگانا ہوتا ہے کہ آیا ہے یا آئی ہے۔ اور تو اور جب تک مونچھ نہ ہو کوئی پنجابی فلم نہیں بن سکتی۔ پہلے تو اردو فلموں میں بھی اس کی ضرورت پڑتی تھی اور وہ ہیرو کے ناک کے نیچے یوں لیٹی ہوتی جیسے کسی اہم سطر کو کالی پنسل سے انڈر لائن کیا گیا ہو۔

درخت زمین کے چہرے پر اگے بال ہیں جو گھنے ہو کر جنگل کی صورت میں زمین کی مونچھیں بناتے ہیں۔ جن سے ڈر کر ہوائیں اس علاقے سے مٹی نہیں اڑاتیں اور مٹی سبز چادر اوڑھ کر سامنے آتی ہے۔ بادل ان کے خوف سے اوپر سے گزرتے گزرتے پسینہ پسینہ ہو جاتے ہیں اور جب ان مونچھوں کو تراش لیا جائے تو یہ پارک اور باغ بن جاتی ہیں۔ ایسے ہی چہرے کی مونچھیں تراشنے کے بعد نہ صرف آپ کے چہرے پر بلکہ دیکھنے والے کے چہرے پر بھی ملائمت آ جاتی ہے۔

مونچھیں آپ کے برے وقت کی ساتھی ہیں' آپ کسی کی گردن نہیں مروڑ سکتے تو اپنی مونچھیں مروڑ کر غصہ نکال سکتے ہیں۔ آپ پریشان ہیں' کسی کا انتظار کر رہے ہیں تو ان پر ہاتھ پھیر کر وقت گزار لیں۔ آپ کو باغبانی کا شوق ہے تو مونچھوں کی پرورش اور کاٹ چھانٹ کرکے اپنا شوق پورا کر سکتے ہیں۔ مونچھیں تو مردوں کا ایکسی لیٹر ہیں۔ اسی لئے وہ لڑنے سے پہلے مونچھوں کو بل دیتے ہیں۔

مونچھیں تراشنا میری پسندیدہ ان ڈور گیم ہے۔ اس کھیل کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ بندہ اپنی مرضی سے کسی بھی وقت اکیلا کھیل سکتا ہے۔ مگر یہ بچوں کا کھیل نہیں کیونکہ یہ ہار اتنی مہنگی ہے کہ ہارنے والے کو ہفتوں منہ چھپائے رہنا پڑتا ہے۔ اسی

لئے تو مقابلوں میں بڑی سے بڑی شرط یہی لگائی جاتی ہے کہ ہار گیا تو مونچھیں منڈوا دوں گا۔ شاید اسی لئے شادی کے بعد اکثر لوگ مونچھیں صاف کروا دیتے ہیں۔ یوں بھی بندہ شادی کے بعد مجازی خدا بن جاتا ہے اور مجازی خدا میں وہ صفات ہیں جو حقیقی خدا میں بھی نہیں ہیں یعنی عاجزی اور انکساری۔ میں تو بہت ڈرتے ڈرتے مونچھوں کو قینچی لگاتا ہوں اور ڈرنے میں برائی ہی کیا ہے۔ اگر ڈرنا بری بات ہوتا تو خدا کبھی بندے کو خود سے ڈرنے کا حکم نہ دیتا۔

مونچھیں تراشنا دراصل توازن برقرار رکھنے کا نام ہے۔ دنیا میں پہلی کلین شیو اس دن ہوئی جب مونچھیں تراشنے والے سے ایک مونچھ چھوٹی ہو گئی اور دوسری بڑی۔ بڑی کو چھوٹی کرنے کی کوشش کی تو چھوٹی بڑی ہو گئی اور یوں ہوتے ہوئے کلین شیو ہو گئی۔

میں جب دنیا کی بڑی طاقتوں کے ہاتھوں میں قینچیاں دیکھتا ہوں تو ڈر جاتا ہوں۔ کیونکہ ایک بار ہٹلر نے توازن بگاڑا تھا تو مونچھ سکڑ کر مکھی مونچھ بن گئی تھی۔ اگر اب توازن بگڑ گیا تو پھر دنیا کو کلین شیو ہونے سے کوئی نہ بچا سکے گا۔

○○○

• بزرگ پالنا

جو بندہ ہاتھوں اور پاؤں کا کام زبان سے لینے لگے اسے بزرگ کہتے ہیں۔ کہتے ہیں ہر آدمی کے اندر ایک بچہ ہوتا ہے جو کھیلنا چاہتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ قول کھیلوں کو فروغ دینے کے لئے ہے۔ ورنہ ہر آدمی کے اندر ایک بزرگ ہوتا ہے جو اپنی ہر بات کو صحیح سمجھتا ہے اور منوانا چاہتا ہے۔ اگرچہ اصلی بزرگ میں ساری نومولود والی خوبیاں ہوتی ہیں یعنی منہ میں دانت نہ سر پر بال' خود چل بھی نہیں سکتا۔ یہاں تک کہ کسی کے تعاون کے بغیر گر بھی نہیں سکتا۔ پھر بھی بچہ پالنا اور بزرگ پالنا بہت مختلف ہیں کیونکہ بچوں کو بزرگ پالتے اور بزرگوں کو ان کے بچے پالتے ہیں۔
وہ بچے جنہیں عورتیں پالتی ہیں ان بچوں کی نسبت جلد باتیں کرنے لگتے ہیں جنہیں مرد پالتے ہیں۔ اور وہ بزرگ جنہیں عورتیں پالتی ہیں ان بزرگوں کو نسبت جلد چپ ہو جاتے ہیں جنہیں مرد پالتے ہیں۔ بچہ جب بولتا ہے تو سب خوش ہوتے ہیں اور بزرگ جب چپ ہوتا ہے تو خوشی ہوتی ہے۔ بچے جب تک کہانی نہ سن لیں انہیں نیند نہیں آتی اور بزرگوں کو تب تک نہیں آتی جب تک سنا نہ لیں۔ بچہ اس وقت زیادہ کاٹتا ہے جب اس کے دانت نکلتے ہیں' بزرگ بھی اس وقت زیادہ کاٹنے لگتا ہے جب اس کے دانت نکلتے ہیں۔ بچوں کے چہروں پر گلاب کھلا ہوتا ہے تو بزرگوں کی آنکھوں میں موتیا۔ بچوں کی بات نہ مانی جائے تو وہ روتے ہیں'بزرگوں کی بات نہ مانی جائے تو وہ خود نہیں روتے۔ بچے شادی کی بات کریں تو گھر والے خوش ہوتے ہیں' بزرگ شادی کی بات کریں تو ہمسائے خوش ہوتے ہیں۔
ہمارے ہاں قدرتی وسائل میں سوئی گیس' کوئلہ' سنگ مرمر اور بچے ہیں جبکہ قدرتی مسائل میں سیلاب' آندھی زلزلہ اور بزرگ شامل ہیں۔ امیر گھرانوں میں بچوں اور بزرگوں کو بالترتیب ہاسٹل اور ہاسپٹل میں رکھا جاتا ہے۔ بچوں کا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ وہ

ہمیشہ بچے نہیں رہتے اور بزرگوں کا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ ایک بار بزرگ ہو جائیں تو پھر ہمیشہ بزرگ ہی رہتے ہیں' بلکہ مزید بزرگ ہوتے جاتے ہیں۔ بچوں اور بزرگوں دونوں کو توجہ چاہیے۔ آپ بچوں کو ایک ہفتہ توجہ نہ دیں تو وہ آدھے رہ جائیں گے اور بزرگوں کو ایک ہفتہ توجہ نہ دیں تو آپ آدھے رہ جائیں گے۔ بچوں کو اٹھانے کے ایک سو ایک طریقے ہیں' بزرگ کو اٹھانے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ اسے کہیں لیٹے رہو۔ کہتے ہیں بچوں کو تو بندہ اٹھائے اٹھائے پھرتا ہے بزرگوں کو نہیں۔ حالانکہ یہ غلط ہے بچے تو کسی وقت اتر بھی جاتے ہیں مگر بزرگ تو ہر وقت آپ پر سوار رہتے ہیں۔ ان سواروں میں سسر ساس شہ سوار ہیں۔ پھر بچے پالتے وقت آپ کبھی بچے نہیں ہوتے مگر بزرگوں کو پالتے پالتے آپ بزرگ ہو جاتے ہیں۔ اگرچہ بچے کو پالنا بھی تو دراصل مستقبل کے بزرگ پالنا ہے۔

ہمارے ہاں جنوں' بھوتوں اور بزرگوں کا ایک ہی مصرف رہ گیا ہے' بچوں کو ڈرانا' بچے ضد کرتے ہیں کہ انہیں وہ دیں جو انہیں پسند ہے۔ جبکہ بزرگوں کی ضد یہ ہوتی ہے کہ آپ وہ لیں جو انہیں پسند ہے۔ بلکہ میرا بچپن تو اتنا میں نے نہیں گزارا جتنا میرے بزرگوں نے گزارا ہے۔ اب بھی ان کی بات نہ سنو تو پریشان کر دیتے ہیں' سن لوں تو پریشان ہو جاتا ہوں۔

کھانسی بزرگوں کی پسندیدہ ان ڈور گیم ہے' جس سے وہ بیٹھے بیٹھے ایک منٹ میں پورے جسم کی ورزش کر لیتے ہیں۔ "نیا نو دن' پرانا سو دن" یعنی بچے کے ساتھ نو دن گزارتے ہیں تو بزرگ کے ساتھ لگتا ہے سو دن گزرے ہیں۔ وہ تو پانی بھی یوں پیتے ہیں جیسے کھانا کھا رہے ہوں اور کھانا یوں کھاتے ہیں جیسے پانی پی رہے ہوں۔ آنے والا بچہ اور جانے والا بزرگ سب کو اچھا لگتا ہے۔ بزرگ کا پیٹ' بچے کا منہ' عورت کی آنکھیں اور خاوند کا دل اکثر بھرا ہوتا ہے۔ بزرگ مرد ہو تو وہ دوسری شادی کا سوچتا رہتا ہے' عورت ہو تو وہ پہلی شادی کا سوچتی رہتی ہے۔ کہتے ہیں بزرگ کچھ نہیں کرتے' حالانکہ بزرگ کچھ نہ کرتے تو آپ دنیا میں کیسے تشریف لاتے---!

کسی عورت نے ایک بار ایڈیسن سے کہا' آپ عظیم ہیں کہ آپ نے دنیا کی پہلی بولنے والی مشین بنائی۔ تو ایڈیسن نے کہا "محترمہ دنیا کی پہلی بولنے والی مشین تو اللہ نے حضرت آدم علیہ السلام کی پسلی سے بنائی تھی۔ البتہ جو مشین میں نے بنائی ہے اسے بند کرنے کے لئے سوئچ ہے" میرے خیال میں بزرگ بولنے والی وہ مشین ہیں جس کے آن آف کے سوئچ ڈھیلے ہو چکے ہوں۔ اس لئے اگر کوئی بزرگ پانچ منٹ تک نصیحت نہ کرے تو اس کی زبان دیکھیں اور اگر دس منٹ تک نصیحت نہ کرے تو نبض دیکھیں۔

بچے پالنا کون سا مشکل کام ہے' ہر کسی کو اس کا ذاتی تجربہ ہوتا ہے۔ کوئی ایسا شخص بچہ پال کر دکھائے جو خود کبھی بچہ نہ رہا ہو تو مانوں! جبکہ بزرگ تو پالتا ہی وہ ہے جو کبھی بزرگ نہیں رہا ہوتا۔

بزرگ پالنا آسان نہیں۔ اہل مغرب ہر جانور پال لیتے ہیں مگر بزرگ پالنے کا ان میں بھی حوصلہ نہیں۔ وہ کتے بہت شوق سے پالتے ہیں۔ بقول میرے دوست "ف" کتوں کو گھر میں نہیں پالنا چاہیے انسانوں کے ساتھ رہ کر ان کی عادتیں خراب ہو جاتی ہیں' وہ مزید کتے ہو جاتے ہیں۔

بزرگ وہ شخص ہوتا ہے جس دن آپ اس کا کہا کام کرکے آئیں تو وہ بھول چکا ہو کہ اس نے کوئی کام کہا تھا اور جس دن آپ اس کا کام نہ کرکے آئیں تو اسے یاد ہو کہ اس نے کام کہا تھا "ف" کے علاوہ میرے تمام جاننے والے اس بات پر قائل ہو گئے ہیں کہ بزرگ پالنا بچوں کا کھیل نہیں۔ "ف" اس لئے قائل نہیں ہوا کہ وہ پہلے سے قائل تھا۔ وہ تو کہتا ہے "میرے بزرگوں نے دنیا میں کئی مسئلے پیدا کیے۔" حالانکہ یہ زیادتی ہے' اسے اپنے بھائیوں کو مسئلہ نہیں کہنا چاہیے۔

بچوں کو ملیں تو آپ کو ہر بچہ اچھا لگتا ہے جس سے آپ ملتے ہیں۔ مگر جوں جوں آپ بزرگوں سے ملیں آپ کو ہر وہ بزرگ اچھا لگنے لگتا ہے جس سے آپ ابھی نہیں ملے۔ بزرگ چاہتے ہیں کہ آپ ان کے پاؤں پر سر رکھیں جبکہ ہم بزرگوں کو دیکھتے

ہی سر پر پاؤں رکھ لیتے ہیں۔

کہتے ہیں بزرگ مرنے سے ڈرتے ہیں۔ ہرگز نہیں! وہ تو ہر وقت جہاں موقع ملے کسی نہ کسی پر مرنے کے لئے تیار رہتے ہیں۔ بچے جب لباس پہنتے ہیں تو پہننے سے پہلے لباس ان کے قابو میں نہیں آتا اور پہننے کے بعد وہ لباس کے قابو میں نہیں آتے۔ جب کہ بزرگ جب لباس پہنتے ہیں تو پہننے سے پہلے لباس ان کے قابو میں ہوتا ہے اور پہننے کے بعد وہ لباس کے قابو میں ہوتے ہیں۔

کہتے ہیں بزرگوں کی صحبت میں رہنے سے انسان بڑا ہوتا رہتا ہے۔ اس کا تو مجھے پتہ نہیں البتہ وہ قمیص جو بزرگ پہنے ہوئے ہیں' اس کو روز بروز بڑا ہوتے تو میں نے خود دیکھا ہے۔

میں یہ نہیں جانتا کہ مرغی پہلے پیدا ہوئی یا انڈا۔ البتہ یہ علم ہے کہ بزرگ دنیا میں پہلے پیدا ہوا اور بچہ بعد میں۔ زندگی کی ابتداء کسی بچے سے نہیں' بزرگ اول حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی۔ یہ تو بہت دیر اور انتظار کے بعد پیدا ہوا۔ بچہ پالنا ایک تفریح ہے جبکہ بزرگ پالنا عبادت ہے۔ اگر بزرگ پالنا اتنا آسان ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس کام کا معاوضہ جنت نہ رکھتا۔ پھر بچوں کو پالنے والی ماں ہوتی ہے اور بزرگ سب یتیم ہوتے ہیں۔ یوں بزرگ پالنا یتیم پالنا بھی ہے۔ "ف" کہتا ہے "کاش! بزرگوں کی ماں ہوتی اور وہ بھی سدھر سکتے۔" میں تو کہتا ہوں انسان اشرف المخلوقات ہی بزرگ پالنے کی وجہ سے ہے۔ یوں آپ اسی وقت تک اشرف المخلوقات رہیں گے جب تک بزرگ پالتے رہیں گے۔

○○○

• کالج کینٹین

ہمارے گاؤں کے قریب آموں کا ایک باغ تھا' جس پر دور سے آم اور لڑکے لٹکے نظر آتے۔ مالی کو دیکھتے ہی لڑکے پکے آموں کی طرح زمین پر گرنے لگتے۔ مالی انہیں پکڑنے کے لئے لپکتا لیکن بچپن بڑھاپے کے آنے سے پہلے ہی بہت دور جا چکا ہوتا۔ ایک دوپہر میں پیڑ کے میٹھے سائے تلے کھٹے آم کھا رہا تھا کہ مالی کی کڑوی کسیلی گالی سنائی دی۔ مالی کو دیکھ کر میں ایسے ہی سہم گیا جیسے امتحان کی تاریخ سن کر گھبرا جایا کرتا تھا اور گھر کی طرف بھاگنے لگا۔ مالی میرے پیچھے پیچھے تھا مگر ہمارے درمیان چالیس برسوں کا فاصلہ تھا۔ وہ گالی دینے کے لئے رکتا اور میں تیز ہو جاتا کہ اسے نہ سن سکوں۔
میرے پیچھے پکڑے جانے کا خوف اور اس سے بہت پیچھے پکڑنے والا تھا۔ وہ دوڑتے دوڑتے گر پڑتا پھر اٹھتا تا کہ دوبارہ گر سکے۔ یہاں تک کہ میں گلی میں کھیلتے ہوئے بچوں میں گم ہو کر ایک سے کئی میں بٹ گیا۔ اتنی دیر میں آم کے پیڑوں پر اور لڑکے نئی کونپلوں کی طرح اگ آئے تھے۔ جونہی مالی انہیں پکڑنے کے لئے میری نظروں سے اوجھل ہوا اس کا خوف ہر شخص کے روپ میں چاروں طرف میرا تعاقب کرنے لگا اور اس وقت تک میرا پیچھا نہ چھوڑا جب تک گھر کے دروازے نے بازو پھیلا کر مجھے اپنی گود میں نہ لے لیا۔ گھر میں داخل ہوتے ہی مجھے یہ بات ایسے ہی بھول گئی جیسے بڑے اپنی غلطی بھول لیتے ہیں۔ لیکن امتحان کا ڈر ابو اور بھائی جان کی صورت اس پناہ گاہ میں بھی گھس آتا۔ وہ ساری رات اس لئے نہ سوتے کہ کہیں میں نہ سو جاؤں۔
اب میں کالج جاتا ہوں۔ سکول میں طلبہ استادوں سے ڈرتے ہیں اور یونیورسٹی میں استاد طلبہ سے ڈرتے ہیں' مگر کالج میں کسی قسم کا ڈر نہیں ہوتا۔ کالج کا زمانہ یوں ہے جیسے لڑکپن اور بڑھاپے کے درمیان جوانی کا بے فکر خط۔ جس دن گھر پر کوئی مصروفیت ہو

اس دن کالج نہ جانا حماقت ہے' اور جس دن کالج میں کوئی مصروفیت نہ ہو اس دن کالج نہ جانا اس سے بڑی حماقت۔ لیکن کبھی کبھی یہاں بھی امتحان کا آدم خور خوف و ہراس برپا کر دیتا ہے' رونقیں اجڑ جاتی ہیں اور ویرانی آ بستی ہے۔ اس ہنگامی حالت میں کالج کینٹین وہ مچان ہے جو اس آدم خور کی پہنچ سے دور ہے۔ کالج کینٹین تو ماں کی آغوش کی طرح ہے جہاں غموں اور پریشانیوں کے باوجود سکون ہی سکون ہوتا ہے۔

عام کینٹین اور کالج کینٹین میں یہ فرق ہے کہ عام کینٹین میں داخل ہو کر ہنستا مسکراتا شخص بھی سنجیدہ ہو جاتا ہے لیکن یہ کالج کینٹین کی خوبی ہے کہ یہاں سنجیدہ سے سنجیدہ شخص کا دل بھی مسکرانے اور قہقہہ لگانے کو چاہتا ہے۔

کینٹین کالج کا دل ہے جس طرح جسم کے دور دراز حصوں سے خون دل میں سستانے کے لئے رکتا ہے اور پھر تازہ دم ہو کر نکلتا ہے۔ ایسے ہی تھکے ماندے طلبہ جب کینٹین سے نکلتے ہیں تو ان کی تھکاوٹ ہوا ہو چکی ہوتی ہے۔

کالج کینٹین بہترین تفریح ہے یہاں آپ وہ باتیں بھی کر سکتے ہیں جنہیں کرنے کے لئے رانگ نمبر کا انتظار کرنا پڑتا ہے بلکہ آپ اس موضوع پر کھلے عام گفتگو کر سکتے ہیں جس پر بوڑھے چھپ کر کرتے ہیں۔ میرا دوست "ف" کہتا ہے "کالج اچھی جگہ ہے بس یہاں پڑھایا نہ جائے۔" وہ کالج کینٹین کے اس لئے خلاف ہے کہ کینٹین کالج کے اندر نہیں ہونی چاہیے بلکہ کالج' کینٹین کے اندر ہونا چاہیے۔

کالج کینٹین کلاس روم کے بہت قریب ہوتی ہے اور کلاس روم کالج کینٹین سے بہت دور ہوتا ہے۔ کینٹین کے سامنے لڑکوں کی تعداد سے پتہ چلتا ہے کہ یہ گرلز کینٹین ہے۔ ہمارے کالج کی گرلز کینٹین کو وہیں بنایا گیا ہے جہاں سے اللہ تعالیٰ نے عورت کو بنایا یعنی یہ بوائز کینٹین کے دائیں پہلو میں واقع ہے۔ اس کے دو دروازے ہیں۔ ایک اندر داخل ہونے کے لئے اور دوسرا اس مقصد کے لئے جس کے لئے وہ اندر آتی ہیں۔ ایک کھڑکی ہے جس کے شیشے زنانہ لباس کی طرح ہیں یعنی آرپار دیکھا جا سکتا ہے۔

دو صوفے ہیں جن کی حالت دیکھ کر لگتا ہے کہ اگر کسی اچھی جگہ ہوتے تب بھی ایسے ہی لگتے۔ ایک گھڑی ہے جو لگتی تو گھڑی کی گھڑی ہے مگر گرمیوں میں پنکھے کا کام بھی دیتی ہے۔ یہاں پورے محلے سے زیادہ شور ہوتا ہے۔ صرف اس وقت خاموشی ہوتی ہے جب اندر کوئی لڑکی نہ ہو۔ لڑکیاں یہاں ہر وقت انگریزی بولتی رہتی ہیں' صرف اس وقت انگریزی نہیں بولتیں جب چپ ہوں۔ لڑکوں کی کینٹین سے ہر وقت قہقہوں اور گرلز کینٹین سے چیخوں کی صدائیں آتی ہیں کہ لڑکیاں خوشی غمی ہر دو موقعوں پر چیختی ہیں۔

مخلوط کینٹین وہ ہوتی ہے جہاں لڑکے اس لئے آتے ہیں کہ یہاں لڑکیاں ہوں گی اور لڑکیاں بھی اسی لئے آتی ہیں۔ میرے دوست "ف" کے خیال میں لڑکیاں علیحدہ کینٹین کی حامی نہیں کہ اس سے ان کا بجٹ ڈسٹرب ہوتا ہے۔ مخلوط کینٹین پر شریف لڑکی وہ ہوتی ہے جو روزانہ ایک ہی لڑکے سے چائے پیتی ہے' اور شریف لڑکا وہ ہوتا ہے جس سے روزانہ مختلف لڑکیاں چائے پیتی ہیں۔

کینٹین کالج کا دارالخلافہ ہوتی ہے۔ اسی لئے یہاں بڑے بڑے خلیفہ پائے جاتے ہیں۔ میرا دوست "ف" کہتا ہے " کینٹین کا بڑا فائدہ یہ ہے کہ باہر سے آنے والے ملاقاتی کو پریشانی نہیں ہوتی۔" یہ فائدہ صرف "ف" ہی کو حاصل ہے کہ آنے والا اس کا نام تک بھول جائے تو پھر بھی اس سے ملاقات کر سکتا ہے۔ بس کینٹین والے سے یہ کہہ دے مجھے اس سے ملنا ہے جس کا بل سب سے زیادہ ہے۔ ویسے اس غیر پارلیمانی تکلف کے بغیر بھی کام چل جاتا ہے کہ کینٹین والا طلبہ کا انسائیکلوپیڈیا ہوتا ہے۔

○○○

• حضرت بابا خند بخش

سید ضمیر جعفری اردو کے سب سے بڑے مزاح نگار ہیں۔ اتنے بڑے کہ انہیں پورا دیکھنے میں اتنی ہی دیر لگتی ہے جتنی پورا اردو مزاح پڑھنے میں۔ اتنا بھولا سا چہرہ کہ ایک بار دیکھ لو تو بھولا نہ جا سکے۔ چہرہ چاند سا نہیں' پر چہرے کے اوپر چاند سا ہے۔ کہتے ہیں اس کے چہرے پر بچپن کھیلتا ہے۔ میں بھی مانتا ہوں اتنے بڑے چہرے پر بچپن کیا پورا بچہ کھیل سکتا ہے۔ ابھی چھوٹے ہی تھے کہ داڑھی کے سر سے مونچھوں کا سایہ اٹھ گیا۔ کچھ کہتے ہیں پہلے مونچھوں کے پاؤں تلے سے داڑھی نکلی تھی۔ بہرحال اتنے بڑے چہرے پر روزانہ شیو کرنے کے لئے بندے کا جذبہ جہاد سے سرشار ہونا ضروری ہے۔

ان کی پیدائش سے قبل ضلع جہلم میں ان کے خاندان کا ادب میں بڑا مقام تھا' یعنی سارا علاقہ ادب کرتا۔ سید ضمیر جعفری نے وہ کام کیا جو آج تک کوئی اور ادیب' شاعر نہ کر سکا اور وہ کام اس گھرانے میں پیدا ہونا تھا۔ گھر کا ماحول اتنا اچھا کہ بچے کا بڑے ہو کر شاعر ادیب بننے کا سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا' بچپن ہی سے اس قدر تیز تھے کہ اپنے بھائی سے دو سال بعد پیدا ہوئے مگر اس سے پہلے کہ بڑا بھائی پانچ سال کا ہوتا یہ سات سال کے ہو گئے۔ اور سکول سے اس کا سرٹیفکیٹ بھی حاصل کر لیا۔ نصابی کتب کی قیمتوں کی وجہ سے انہیں ادیب بننے میں بڑی مدد ملی کیونکہ جو نصابی کتابیں گھر والے خرید کر دیتے یہ انہیں بیچ کر ادبی رسالے خرید لیتے۔

کہتے ہیں مہدی حسن کے گلے میں بھگوان بولتا ہے' وہ گاتے وقت جو منہ بناتا ہے اس سے واقعی لگتا ہے کہ اس کے گلے میں کوئی ہے مگر ضمیر جعفری کے گلے میں پورا پاکستان بولتا ہے۔ اتنی بھاری آواز کہ کوئی کمزور شاعر تو اٹھا ہی نہیں سکتا۔ ڈیل ڈول ایسا کہ لوگ ان سے گفتگو کرتے ہوئے بھی ان کے بارے میں جمع کا صیغہ استعمال

کرتے ہیں۔ جا رہے ہوں تو لگتا ہے "میٹرنٹی لیو" پر جا رہے ہیں۔ خود ایک قدم اٹھاتے ہیں تو پیٹ دو قدم۔ اس لئے تھوڑا سا بھی چلیں تو پیٹ تھک کر چور ہو جاتا ہے۔ چلتے ہوئے لگتا ہے پیٹ کا تعاقب کر رہے ہیں۔ سانس لینے کے لئے روزانہ پیٹ کو اتنا ہی آگے پیچھے کرنا پڑتا ہے' جتنا ایک شادی شدہ کو سانس لینے کے لئے بیوی کے آگے پیچھے ہونا پڑتا ہے۔ وہ جہاں قدم رکھیں سب احتراماً اٹھ کھڑے ہوتے ہیں انسان تو انسان وہ تو تانگے پر قدم رکھیں تو آگے سے گھوڑا اٹھ جاتا ہے۔ شخصیت ایسی کہ لوگ کھنچے چلے آتے ہیں۔ وہ تو سانس ہی کھینچ لیں تو دو تین شاعر کھنچے چلے آئیں گے۔ کرسی پر بیٹھ جائیں تو ساتھ کرسی بھی بیٹھ جاتی ہے۔ یہی نہیں وہ تو کرسی سے اٹھیں تو کرسی ساتھ اٹھتی ہے۔ وہ خود بھی آدھی سیڑھیوں میں ہوتے ہیں' سانس پورا چڑھ چکا ہوتا ہے۔

اس عمر میں ہیں جس میں بندہ اظہار محبت بھی کرے تو لگتا ہے عیادت کر رہا ہے۔ شاید اسی لئے انہوں نے ستر سال کا ہونے کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ آئندہ کبھی ستر سال کے نہ ہوں گے۔

ہمارے بیشتر مزاح نگار ایسے ہیں کہ ان کی تحریروں سے مزا لینے کے لئے ضروری ہے کہ بندہ پڑھا لکھا نہ ہو' مگر ضمیر جعفری کی تحریروں سے مزا لینے کے لئے صرف یہ ضروری ہے کہ بندہ ہو۔ ان کے فقروں سے تین سال کا لڑکا بھی اتنا ہی محظوظ ہو سکتا ہے' بشرطیکہ وہ شادی شدہ ہو۔ جس طرح ان کے قلم نے پنجابی اور اردو کو گلے ملایا ہے اس طرح تو کسی فلم نے ہیرو' ہیروئن کو نہیں ملایا۔

ان کی طبیعت میں بڑا انکسار ہے۔ ظاہر ہے جتنی بڑی طبیعت ہو گی اتنا بڑا انکسار ہو گا۔ کسی دشمن میں اتنا حوصلہ نہیں کہ ان کا بال بیکا کر سکے' ویسے بھی اس کے لئے کسی دشمن کے حوصلے سے کہیں زیادہ ضروری بالوں کا ہونا ہے' اسی لئے میرا دوست "ف" کہتا ہے "پیرو مرشد سید ضمیر جعفری کے معجزات میں سے ایک یہ بھی کہ بھری برسات

سے گزر جائیں اور سر کے بال گیلے نہ ہوں۔"
جو کچھ ملے' کھا لیتے ہیں' جو کچھ نہ ملے تو اور کچھ کھا لیتے ہیں۔ غصہ نہیں کھاتے کہ بندہ اتنا غصہ نہیں کھاتا جتنا غصہ بندے کو کھاتا ہے۔ کوئی بات پیٹ میں نہیں رکھتے حالانکہ وہ چاہیں تو بات سمیت بات کرنے والے کو پیٹ میں رکھ سکتے ہیں۔
فوجی آدمی ہیں اس لئے کوئی مشکل مقام آئے تو آنکھیں بند کرکے ڈٹ جائیں گے' البتہ آسان مقام ہو تو بڑا سوچ سمجھ کر فیصلہ کریں گے۔
وہ فوج میں اس لئے گئے کہ شروع ہی سے جنگ کے خلاف تھے۔
محفلوں میں اپنی گفتگو کی وجہ سے پسند کئے جاتے ہیں۔ مجھے بھی محفلوں میں گفتگو کی وجہ سے پسند کیا جاتا ہے' جی ہاں! محفلوں میں ' میں بڑے اچھے طریقے سے گفتگو سنتا ہوں۔
دس آدمی بھی نصیحت کے لئے کہیں تو حضرت بابا خند بخش نصیحت نہیں کریں گے کہ انہیں پتہ ہے جب آدمی نصیحت کے لئے کہہ رہے ہوں تو ان میں سے نو تو آپ سے مذاق کر رہے ہوتے ہیں اور دسواں سن ہی نہیں رہا ہوتا۔ یوں بھی نصیحت کرنے سے بندہ بوڑھا ہو جاتا ہے اور انہوں نے بوڑھا ہونے سے ہمیشہ کے لئے توبہ کر لی ہے۔
کسی لفظ کا غلط تلفظ نہیں کیا۔ اگر کسی لفظ کا یہ تلفظ ادا کیا تو وہ لفظ ہے غلط! انہیں زبان پر گرفت ہے اور زبان پر گرفت اس شاعر کی ہوتی ہے جسے کوئی ایک شعر سنانے کے لئے کہے تو وہ ایک شعر ہی سنائے۔
ساری زندگی شہر میں اس لئے گزاری کہ گاؤں سے شدید محبت ہے۔ تنہائی اچھی لگتی ہے' اس لئے ہر وقت ہنگامہ و ہجوم میں رہتے ہیں تاکہ تنہائی اچھی لگتی رہے۔
میں یہ تو نہیں کہتا کہ سید ضمیر جعفری کو ملنے کے بعد آپ کی زندگی میں سالوں کا اضافہ ہو گا' لیکن میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ ان سالوں میں زندگی کا اضافہ ضروری ہو گا۔ یہاں سالوں سے مراد وہ نہیں جو شادی شدہ سوچ رہے ہیں۔ ویسے بندہ انہیں ایک بار مل لے تو اس میں ایک سہ ماہی کے لئے شوہر رہنے کا حوصلہ آ جاتا ہے۔ صدیق سالک نے کہا تھا "جہاں ضمیر جعفری آ جائیں وہاں اداسی نہیں آ سکتی" یہاں نہ آنے

کی وجہ اداسی کا مونث ہونا نہیں' اس لئے ہے کہ جب وہ آ جائیں تو اداسی ہی کیا' کنپٹیوں کے لئے جگہ نہیں بچتی۔ مجھے تو لگتا ہے ایک وقت آئے گا جب سائیکاٹرسٹ اداسی اور مایوسی کے مریضوں کے لئے یہ نسخہ لکھا کریں گے "سید ضمیر جعفری -- صبح ' دوپہر ' شام!



• بے کار رہنا

آج کل بڑا ادیب وہ ہوتا ہے جو چھوٹی سی بات پر بڑی بڑی کتابیں لکھ سکے۔ اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہوتی ہے کہ وہ کئی سو صفحے لکھنے کے باوجود بھی کچھ نہیں لکھتا۔ ایسے یہ مختلف کاموں کا سہارا لے کر وقت گزارنے والے اتنے اہم نہیں جتنے بغیر کام کے وقت کاٹنے والے۔ بلکہ میں تو کہتا ہوں کام کرنا اتنا مشکل نہیں جتنا بے کار رہنا۔ شاید اسی لئے تاریخ میں بڑے بڑے کام کرنے والوں کی تو کمی نہیں لیکن بے کار رہنے والوں کا نام مشکل سے ہی ملتا ہے۔

آج کل مجھے یہی کام ہے کہ سارا دن بے کار رہتا ہوں۔ سارے گھر والے دن کا آغاز کام سے کرتے ہیں، دن ختم ہو جاتا ہے مگر کام ختم نہیں ہوتا۔ لیکن میں بے کار بیٹھا گھر والوں کی توجہ کا مرکز بنا رہتا ہوں کہ اس تیز رفتار دور میں کام کرنے والے کو کون پوچھتا ہے۔ سبھی بے کار کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ پھر سورج کے خوف سے درختوں تلے دبکے سائے دھیرے دھیرے سر نکال کر باہر جھانکنے لگتے ہیں اور سورج رات گزارنے کے لئے مغرب کی راہ لیتا ہے۔ جس کی وجہ میرا دوست "ف" یہ بتاتا ہے کہ آخر مشرق میں رات گزارنے کے لئے رکھا ہی کیا ہے۔ جونہی سورج آنکھ سے اوجھل ہوتا ہے، آسمان جلدی سے اپنے ہونٹوں پر لپ اسٹک مل کر انہیں زمین کے گالوں پر رکھ دیتا ہے اور میں بستر سے ہم آغوش ہونے کا موقع ڈھونڈنے لگتا ہوں۔

میرا دوست "ف" انسان نہیں فرشتہ ہے، اس کے کام بھی فرشتوں والے ہیں۔ یعنی دوسروں کی برائیوں اور گناہوں کا حساب رکھتا ہے۔ فرماتا ہے بے کار بیٹھے شیطانی سوجھتی ہے۔ حالانکہ شیطان اور بے کار دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ شیطان کے پاؤں میں تو چکر ہے، بلکہ شیطان بے کار رہنے لگے تو شیطان ہی نہیں رہتا۔ جبکہ بے کار تو چپ چاپ رب سے لو لگانے والا ہے۔ جو یقیناً شیطان کی بجائے رحمان کے نزدیک ہے۔

آج کل عاشق اور بے کار دونوں کو لوگ مشکوک نظروں سے دیکھتے ہیں لیکن دونوں میں فرق ہوتا ہے۔ بے کار کو مسائل کا سامنا ہوتا ہے جبکہ عاشق بذات خود سب سے بڑا مسئلہ ہوتا ہے۔ یوں بھی عاشق تو ہر کوئی ہو سکتا ہے۔ اس کے لئے عمر عقل اور شکل کی قید نہیں مگر بے کار ہونے کے لئے پڑھا لکھا ہونا ضروری ہے۔

کہتے ہیں بے کار رہنے سے بہتر ہے کہ شاعری کی جائے' شاید اسی لئے شاعر میرے مسائل کی طرح بڑھتے چلے جا رہے ہیں۔ جب سے میں بے کار ہوا ہوں میں بھی شاعروں سے ملنے لگا ہوں۔ جس سے مجھے سکون ملتا ہے کہ اگر سال دو سال اور بھی بے کار رہا تب بھی حالت کم ازکم ان سے تو بہتر ہو گی۔

بے کار رہنے کے سارے مزے شادی سے پہلے کے ہیں۔ شادی کے بعد تو آدمی بڑے "کام" کرنے لگتا ہے بلکہ اوور ٹائم بھی لگاتا ہے۔ جس کی وجہ سے یہ بتاتے ہیں کہ اس کی کوشش ہوتی ہے جتنا ممکن ہو وہ گھر سے باہر رہے۔ اسی لئے جب لڑکا کام میں دلچسپی نہ لے تو سیانے ماں باپ اس کی شادی کے بارے میں سوچنے لگتے ہیں۔

بے کار رہنا دراصل صحت بناتا ہے۔ بے کار رہنے سے عورتیں پلک جھپکتے ہی مستطیل سے مربع بن جاتی ہیں۔ کاہل سے کاہل بھی اس تیزی سے چربی کے پہاڑ میں چھپتی ہے کہ آپ ڈھونڈتے رہ جاتے ہیں' لیکن سنا ہے بے کار عورت اور بدکار مرد قابل بھروسہ نہیں ہوتے۔ شاید اسی لئے عورتیں کم ہی بے کار بیٹھتی ہیں بلکہ ہر وقت باتیں کرتی رہتی ہیں۔

بے کار رہنے سے وقت بھی دھیرے دھیرے گزرتا ہے۔ اس سے بڑھ کر بے کار رہنے کی برائی اور کیا ہو گی کہ وقت ضائع ہونے کااحساس زیادہ ہوتا ہے۔ بے کار تو اس بچے کی طرح ہوتا ہے جسے اتنے زیادہ کھلونے مل جائیں کہ وہ انہیں سمیٹ نہ سکے اور بجائے خوش ہونے کے رونے لگے۔ ایسے ہی بے کار کو جب وقت کا خزانہ ملتا ہے تو وہ اسے سمیٹ نہیں پاتا اور پریشان ہو جاتا ہے۔ بے کار وہ معصوم ہے جس سے کسی کو کوئی خطرہ نہیں ہوتا۔ جبکہ کام کرنے والوں کا کیا بھروسہ' کب ہڑتال کی دھمکی

دے دیں۔ کب زیادہ تنخواہ کا مطالبہ کرنے لگیں۔

کہتے ہیں بد سے بدنام برا۔ جس کی وجہ غالباً یہی ہے کہ بد میں کچھ صلاحیتیں تو ہوتی ہیں مگر بدنام کو تو یہ رتبہ دوسروں کی صلاحیتوں کے باعث ملتا ہے۔ میں کہتا ہوں بے کار سے کام کرنے والا برا کہ کام کرنے والے سے غلط کام کا خدشہ ہو سکتا ہے بے کار سے نہیں۔

میرے دوست "ف" کو کوئی نہ کوئی شوق چڑھا رہتا ہے۔ جوڈو کراٹے کا جنون ہوا تو فرمانے لگا "رقص اعضا کی شاعری ہے تو جوڈو کراٹے اعضا کی نثری نظم ہے۔" علم حاصل کرنے کا شوق ہوا تو کالج جانا چھوڑ دیا کہ اس کے نزدیک کالج اس لئے ہیں کہ لوگوں کو جہالت کی تلاش میں مارا مارا نہ پھرنا پڑے۔ بڑے لوگوں کو دیکھنا چاہا تو سارا دن کمرے میں بند رہنے لگا اور کمرے میں شیشہ لگوا لیا۔ بھوکوں مرنے لگا تو شاعری شروع کر دی۔ فرمایا شاعری اور عشق ہی وہ کام ہیں جو آدمی بھوکا رہ کر' کر سکتا ہے۔ جب کام کرنے کو دل چاہا تو بے کار پھرنے لگا' کہا "بے کار ہونا ہی وہ ہے جو کام کرنا چاہے" بعض لوگ بے کار کو بے بس کہہ دیتے ہیں' حالانکہ بے کار کو کار نہ سہی بس تو مل ہی جاتی ہے جبکہ بے بس کو تو بس کی بھی امید نہیں ہوتی۔

بے کار بڑا عقل مند ہوتا ہے کہ وہ اتنا تو جانتا ہے کہ وہ کچھ نہیں کر رہا۔ جبکہ اکثریت ان لوگوں کی ہے جو کسی نہ کسی بہانے خود کو مصروف رکھ کر کچھ بھی نہیں کرتے' مگر یہ بھی نہیں جانتے کہ وہ کچھ نہیں کر رہے۔

بے کاری ترقی کا دوسرا نام ہے۔ کسی ملک کی ترقی کا اندازہ اس بات سے ہرگز نہیں لگایا جا سکتا کہ وہاں کتنے لوگ کام کرتے ہیں۔ کیونکہ اس لحاظ سے تو پاکستان سب سے ترقی یافتہ ہوا کہ وہ کام جو ایک آدمی کے کرنے کا ہوتا ہے' ہمارے ہاں اسے بھی کئی کئی آدمی کرتے ہیں' بلکہ کسی ملک کی ترقی کا اندازہ وہاں کے بے کار لوگوں کی تعداد سے لگایا جا سکتا ہے۔ جوں جوں ترقی ہو گی انسان کی جگہ مشینیں لیں گی تو لوگ بے کار ہوں گے اور ملک ترقی کرے گا۔

بے کار آدمی کو سب سے بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ لوگ اس سے قرض مانگ کر شرمندہ نہیں ہوتے۔ لوگ اس کے قریب سے نظریں جھکا کر بلکہ چرا کر گزرتے ہیں کہ ہر کسی نے اسے ملازمت دلانے کا وعدہ کیا ہوتا ہے۔ بے کار اور ملازم میں یہ فرق ہوتا ہے کہ ملازم کام چور ہوتا ہے اور بے کار نہیں۔ بھئی! وہ کام چور ہو تو سارا دن کام کی تلاش میں کیوں پھرے۔؟

میں بے کار کی اتنی خوبیاں اس لئے بیان نہیں کر رہا کہ میں بھی بے کار ہوں بلکہ میں اس لئے بے کار ہوں کہ اس میں اتنی خوبیاں ہیں۔



• گم ہونا

وکیل چاہے وکالت چھوڑ دے اور سچ بولنے لگے پھر بھی لوگ اسے وکیل ہی کہتے ہیں۔ ایسے ہی بچہ چاہے باپ بھی جائے' باپ کے لئے وہ بچہ ہی رہتا ہے۔ اگرچہ بچوں کے بارے میں میری بھی وہی رائے ہے جو بزرگ میرے بارے میں رکھتے ہیں' پھر بھی مجھے بچوں سے اس قدر لگاؤ ہے کہ میں تو بڑوں کو بھی بچہ سمجھتا ہوں۔ لیکن کل کے واقعہ کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ انسان کا اپنی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں۔ ہوا یوں کہ میری بھانجی جسے دنیا میں آئے پانچ برس اور ہمارے گھر آئے پانچ منٹ ہوئے تھے' گم ہو گئی۔ یوں تو ہمارا دروازہ انصاف کے در کی طرح ہمیشہ بند رہتا ہے' مگر کل کسی طرح کھلا رہ گیا اور دروازے کے باہر بیٹھی گلی گڑیا کو ساتھ لے جا کر بستی سڑک میں دھکا دے آئی۔

ہمارے چہرے پر لکھی گڑیا کے گم ہونے کی خبر گلی کے ہر شخص نے پڑھ لی۔ وہ گڑیا جسے کسی نے کبھی بات نہ کرنے دی تھی اب ہر کوئی اس کی بات کر رہا تھا۔ برسوں کی خوش اخلاقی کے باوجود مجھے محلے میں وہی لوگ جانتے ہیں جنہیں کوئی نہیں جانتا۔ مگر گڑیا گم کیا ہوئی یکدم اس کا قد اتنا بڑھ گیا جیسے اس نے کھلونے پھینک کر پورے محلے کو مٹھی میں لے لیا ہو۔ جب ملی تو وہ روتے روتے آنسو بن گئی تھی۔ میں نے پوچھا "گڑیا! تو کہاں گم ہو گئی تھی؟" وہ بولی "انکل میں تو گم نہیں ہوئی تھی' گھر گم ہو گیا تھا۔"

آج میں اس واقعے سے ایک دن کے فاصلے پر ہوں مگر ابھی تک سوچوں میں گم ہوں کیونکہ کم سن بچی ہو یا کوئی قوم' جب اس کا گھر گم ہو جائے تو ہر راہ' راہزن بن جاتی ہے۔ یاد رہے یہاں راہزن سے مراد وہ زن نہیں جو راہ میں ملے۔

میرے دوست "ق" کے خیال میں خوش دامن اسے کہتے ہیں جو آپ کے چہرے سے خوشیاں چن چن کر اپنے دامن میں ڈال لے۔ شاید اسی لئے شادی کے بعد وہ کم ہی خوش نظر آیا۔ لیکن آج وہ ایسے ہی خوش تھا جیسے باپ بننے پر ہوا تھا، یعنی اسے اپنے آپ پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ گذشتہ دنوں بارش میں ان کی جو سڑک گم ہو گئی تھی وہ اسے بڑی دوڑ دھوپ سے کمیٹی کی فائلوں میں مل گئی۔ اس کی خوشی کا باعث سڑک کا ملنا نہیں بلکہ اس کا گم ہونا تھا کہ وہ گم ہی نہ ہوتی تو اسے ملتا کیا۔؟ کچھ عرصہ قبل میرے ایک دوست کو محبت ہو گئی۔ لڑکی کی آنکھیں اتنی بڑی تھیں کہ ان میں بیک وقت کئی عاشق سما سکتے تھے۔ موصوف ہر وقت اس سے آنکھیں چار کرنے کا چارہ کرتے۔ فرماتے "موصوفہ کا خاندان اتنا اچھا ہے کہ وہ بچپن میں یتیم ہوئی اور یقین کرو ابھی تک یتیم ہے" گم سم رہنے والے میرے دوست کو جب سے وجہ گم گشتگی ملی ہے وہ غمگین رہنے لگا ہے، کیونکہ اس کی محبوبہ گم ہو کر "بیگم" بن گئی ہے جسے وہ غم سے "بے غم" کہتا ہے۔

زمین کی کہانی کچھ یوں ہے کہ ایک روز ایک سیارہ راستہ گم کرکے ہماری کائنات میں آ نکلا۔ ہماری زمین اس کی بے راہ روی کا نتیجہ ہے اور لاوارث بچے کی طرح فضا میں چکر کھا رہی ہے۔ اس کا تین چوتھائی چہرہ ہر دم آنسوؤں میں ڈوبا رہتا ہے۔ سورج کبھی کبھی اس کے قریب آ کر آنسو پونچھنے کی کوشش کرتا ہے مگر روسیا بادل اس کے راستے کی دیوار بن جاتے ہیں۔ سورج تو ان کے خوف سے روپوش ہو جاتا ہے مگر بادل نفرت سے زمین کے منہ پر اتنا تھوکتے ہیں کہ جل تھل ہو جاتا ہے۔ لیکن ایک دن سورج اس کے سارے آنسو پونچھ کر اسے باہنوں میں لے لے گا۔ اس روز یہ تانبے سا سرخ عروسی جوڑا پہن کر سورج کے سنگ چلی جائے گی۔ گویا ایک سیارے کے گم ہونے سے جو دنیا بنی وہ زمین کے سورج کی باہنوں میں گم ہونے سے گم گشتہ ہو جائے گی۔

گم وہ ہوتا ہے جو کچھ نہیں جانتا یا سب کچھ جانتا ہے۔ اسی لئے بچہ گم ہوتا یا بوڑھا۔ میرا دوست "ف" کہتا ہے گم وہ ہوتا جو اپنے علاقے سے باہر جاتا ہے' اس لئے میں تو شہر سے کبھی باہر نہیں گیا" حالانکہ اس کے بچوں کی تعداد سے تو لگتا ہے وہ کبھی گھر سے باہر بھی نہیں گیا۔

گم ہونے کے لئے صحیح راستے پر چلنا ضروری ہے' کیونکہ صراط غیر مستقیم پر چلنے والے گم نہیں گمراہ ہوتے ہیں۔ گم ہونے والے کی ذات میں ساری کائنات سمٹ آتی ہے۔ جب قطرہ سمندر میں گم ہوتا ہے تو سمندر بن جاتا ہے۔ جب گانے والی گانے میں گم ہوتی ہے تو پھر وہ نظر نہیں آتی گانا نظر آتا ہے۔ کوئی یوگی ہو یا جوگی' عالم ہو یا عامل' جب تک ذات میں غوطہ لگا کر گم نہیں ہو جاتا مراد کے موتی اس کے ہاتھ نہیں لگتے۔ اسی لئے جسے دوران نماز بھی جوتے گم ہونے کا خیال رہے جب وہ مسجد سے باہر آتا ہے تو اسے صرف جوتے ہی ملتے ہیں۔

گم ہونے سے پتہ چلتاہے کہ آپ کی قدر و قیمت کیا ہے؟ کبھی تو لوگ دعا کرتے ہیں کہ گمشدہ جہاں جہاں کہیں بھی ہو خوش رہے اور اس کے بدلے خدا ہمیں بھی خوش کرے اور کبھی گھر والے ڈھونڈتے ڈھونڈتے خود ہی گم ہو جاتے ہیں۔ گم ہونے والے کی بولی بھی لگائی جاتی ہے بعض دفعہ پیسے اتنے کم ہوتے ہیں کہ گم ہونے والا خود شرم سے واپس نہیں لوٹتا۔ کئی مرتبہ رقم اتنی ہوتی ہے کہ اگر یہ گم ہونے والے کو دے دی جائے تو وہ خود کو پکڑ کر آپ کے سامنے پیش کر دے۔

گم ہونا وہ لمحہ ہے جس میں انسان اپنے آپ کو پاتا ہے۔ ایسے ہی جیسے بیج گم ہو کر اپنے اندر کے شجر کو دریافت کرتا ہے۔ یہاں تک کہ جب قومیں گم ہو جائیں تو ان کی جھولیاں بڑے رہنماؤں سے بھر جاتی ہیں اور جب کسی ویران ٹیلے کی اوٹ میں گم ہونے والا کولمبس لوٹتا ہے تو اس کی پوٹلی میں امریکہ ہوتا ہے۔

• بڑی عمر کی عورت سے شادی کرنا

عورت اس لئے شادی کرتی ہے کہ تعریف کرنے کے لئے ایک بندہ مل جائے اور مرد اس لئے شادی کرتا ہے کہ تعریف کے بغیر عورت مل جائے۔ ویسے گھر کو جنت بنانے کے لئے شادی ضروری ہے۔" ف" کہتا ہے یہ ٹھیک ہے کیونکہ مرنے کے بعد ہی جنت مل سکتی ہے۔

میرے خیال میں تو کنوارہ احمق ہوتا ہے۔ لیکن "ف" کہتا ہے "کنوارہ احمق ہوتا ہے مگر اسے اپنے احمق ہونے کا پتا تب چلتا ہے جب وہ شادی کرتا ہے۔" دیکھا جائے تو شادی کا اس سے بڑا اعزاز اور کیا ہو گا کہ صرف اسی صورت میں انسان خدا بن سکتا ہے۔ اسے شاید مجازی خدا کہتے ہی اس لئے ہیں کہ وہ بھی خدا کی طرح سنتا تو سب ہے بلکہ ہر وقت سنتا ہے لیکن بولتا نہیں۔ پہلے میرے بھی یہی خیال تھا کہ ہر عورت شادی کرے مگر کوئی مرد شادی نہ کرے۔ لیکن اب میں کہتا ہوں کہ ہر مرد کو بڑی عمر کی عورت سے شادی کرنا چاہیے۔ جو "ف" کے خیال میں شادی نہ کرنے کی ایک صورت ہے۔ کیونکہ آپ جس عورت سے بھی کہیں گے کہ میں بڑی عمر کی عورت سے شادی کرنا چاہتا ہوں' وہ کہے گی "اس کا مطلب آپ میرے ساتھ شادی نہیں کرنا چاہتے" پھر بڑی عمر کی عورت سے شادی کرنا محکمہ آثار قدیمہ کے ملازمین کے لئے تو ٹھیک ہے کہ جوں جوں چیز پرانی ہوتی جاتی ہے' اس میں ان کی دلچسپی بڑھتی جاتی ہے۔ مگر شاید وہ نہیں جانتا کہ نیا نو دن پرانا سو دن۔ بڑی عمر کی عورت کو آپ خیال میں ہی رکھیں تو وہ آپ کا خیال رکھے گی۔ یوں بھی جب عورت کی کشش اور جسمانی خوبصورتی کم ہوتی ہے تو وہ سینکڑوں طریقوں سے زندگی کو پرکشش اور خوبصورت بنا دیتی ہے۔

بڑی عمر کی عورت سے شادی کرکے آپ حضرت آدم علیہ السلام کی طرح دنیا کے ان

خوش نصیب خاوندوں میں سے ایک ہوں گے جن کی ساس نہیں ہوتی۔ ورنہ جب تک سانس تب تک ساس! پھر آپ کو بیوی کا حکم مانتے ہوئے شرم بھی نہیں آئے گی' کیونکہ حکم ہے' بڑوں کی حکم عدولی نہ کرو۔ وہ صبح جلدی اٹھے گی کہ کہیں آپ اٹھ کر اسے میک اپ کے بغیر نہ دیکھ لیں' سو آپ آرام سے اٹھیں۔ وہ اگر آپ کا مقابلہ کرے گی بھی تو سابقہ شوہر سے' جب کہ چھوٹی عمر کی بیوی تو آئندہ شوہر سے کرے گی۔ پھر اس شادی سے "اور کچھ" ہو نہ ہو ثواب ضرور ہو گا۔

لڑکے بالے جب جوانی میں بے قابو ہو جاتے ہیں تو بڑے بوڑھوں کے پاس ان کا یہی علاج رہ جاتا ہے کہ ان کی شادی کر دی جائے۔ گویا ہمارے ہاں شادی علاج جوانی ہے اور علاج ہمیشہ کسی مستند اور تجربہ کار سے کروانا چاہیے۔ ہمارے معاشرے میں لڑکی کے پیدا ہوتے ہی اس کی یوں تربیت کی جاتی ہے کہ جتنی اس کی عمر ہوتی ہے' اتنی ہی اس کی شادی کی ٹریننگ کی مدت ہوتی ہے۔ یوں بڑی عمر کی عورت سے شادی کرنا خود کو محفوظ ہاتھوں میں دینا ہے۔ اگر بڑی عمر کی عورت کا یہ پتہ نہیں ہوتا کہ وہ کہاں سے آ رہی ہے تو چھوٹی عمر کی بیوی کا یہ پتہ نہیں ہوتا کہ کہاں جا رہی ہے؟

عورت بذات خود گھر ہوتی ہے'جب آنکھیں کھولتی ہے تو اس گھر میں داخل ہونے کا راستہ بن جاتا ہے۔ "ف" کہتا ہے "ہاں! بیوی گھر ہے اور خاوند اس کا دروازہ جو اندر آنے والوں کو روکتا ہے۔"

دنیا کی وہ عورت جسے آپ ساری زندگی متاثر نہیں کر سکتے' وہ بیوی ہے اور وہ عورت جسے آپ چند منٹوں میں متاثر کر سکتے ہیں وہ بھی بیوی ہے مگر دوسرے کی۔ بیوی کی خوبیاں تلاش کرنا ایسے ہی ہے جیسے اپنی خامیاں تلاش کرنا۔

اگرچہ بیوی پر عمر کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ سترہ سال کی بیوی بھی ستر سال کی بیوی کی طرح ہوتی ہے یعنی اتنی ہی بور۔ بقول "ف" سترہ سال کی بیوی قابل غور ہوتی ہے اور ستر سال کی قابل گور۔ پھر بھی چالیس سال کی لڑکی تیس سال کی عورت سے بدرجہا بہتر ہوتی ہے۔ لیکن میرا خیال ہے کہ دنیا میں صرف ایک ہی عورت ہوتی ہے جو

آپ کی گھر والی ہے باقی سب لڑکیاں ہوتی ہیں' چاہے وہ کسی بھی عمر کی ہوں۔ عورت کو تیس سال کے بعد جا کر کہیں نظر آتا ہے' اس سے پہلے تو وہ صرف نظر آتی ہے۔ ادھیڑ عمر میں جا کر اسے پتہ چلتا ہے کہ کیا کہنا چاہیے' کیا نہیں کہنا یہ پھر بھی پتہ نہیں چلتا۔ "ف" کہتا ہے کہ "بیوی کی تلاش میں نکلو تو ہمیشہ کان استعمال کرو' کیونکہ بیوی دنیا کی وہ عورت ہوتی ہے جسے آپ اتنا دیکھتے نہیں جتنا سنتے ہیں۔"

بندہ اس لئے شادی کرتا ہے کہ سکون سے رہے۔ جو شادی نہیں کرتے وہ بھی اسی لئے نہیں کرتے۔ شادی وہ عمل ہے جس میں وہ مل کر اس طرح رہتے ہیں کہ ایک دوسرے کو رہنے نہیں دیتے۔ ویسے شاعروں کو ضرور شادی کرنا چاہیے' اگر بیوی اچھی مل گئی تو زندگی اچھی ہو جائے گی اور بیوی اچھی نہ ملی تو شاعری اچھی ہو جائے گی۔

خاوند کو ہر کام اپنی مرضی سے کرنا چاہیے مگر شادی ہمیشہ بیوی کی مرضی سے کرنی چاہیے۔ "ف" نے ایسا ہی کیا۔ اس کی بیوی کہتی ہے "میں نے موصوف سے اس لئے شادی کی کہ اس میں وہ خوبی تھی جو دنیا کے کسی اور مرد میں نہ تھی" ٹھیک کہتی ہے وہ خوبی یہ تھی کہ "ف" اس سے شادی کے لئے تیار تھا۔

شادی بچوں کا کھیل نہیں' بڑوں کا ہے۔ اکثر خاوند بے وقوف ہوتے ہیں جس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ اکثر بے وقوف ہی خاوند ہوتے ہیں۔ لیکن جب سب بے وقوفیاں کر رہے ہوں' وہاں نہ کرنا بھی بے وقوفی ہے۔ شادی ضرور کریں اور بڑی عمر کی عورت سے کریں یا تو وہ گھر کو جنت بنا دے گی یا آپ کو جنتی۔ اگر آپ کچھ دن اچھے بسر کرنا چاہتے ہیں تو شادی کر لیں اور اگر سارے دن اچھے بسر کرنا چاہتے ہیں تو نہ کریں۔

بیوی سے بحث میں ہارنے سے زیادہ بے عزتی والی بات ہے اس سے بحث میں جیتنا۔ وہ خاوند کو تکلیف اور مصیبت میں نہیں دیکھ سکتی' اس لئے وہ اس کے رنڈوا ہونے کی دعا نہیں مانگے گی' اپنا بیوہ ہونا قبول کر لے گی۔ ویسے اگر عورت اپنے مرد سے بھی اسی اخلاق سے پیش آئے جس سے وہ اجنبی مردوں سے ملتی ہے تو اسے کبھی طلاق نہ

ہو۔ خاوند بھی اگر اسے دن میں ایک بار ایسے دیکھ لے جیسے ہمسائی کو دیکھتا ہے تو اس کی خوشگوار ازدواجی زندگی کی ضمانت میں دے سکتا ہوں۔

سنا ہے شادی شدہ مردوں کی عمریں لمبی ہوتی ہیں۔ جس کی واحد وجہ یہ ہے کہ انہیں بیوی کے ساتھ گزارا وقت لمبا لگتا ہے۔ لیکن "ف" کہتا ہے "بیوی کے ساتھ تو وقت اس قدر تیزی سے گزرتا ہے کہ مجھے پتہ ہی نہیں چلا اور مجھے تمیں کے بعد اکتالیسواں سال لگ گیا۔" اس کے نزدیک شادی کرنا بے وقوفی اور جتنی عمر کی عورت سے شادی کی جائے یہ بے وقوفی اتنی ہی بڑی ہوتی ہے اگر اس کا دل رکھنے کے لئے یہ مان بھی لیا جائے تو پھر بھی یہ بے وقوفی مرد کی نہیں۔ بڑی عمر کی عورت سے شادی کرنے کا کوئی بھی روشن پہلو نہ ہو پھر بھی اس سے پہلو تو روشن ہو ہی جاتا ہے۔

میرا دوست کہتا ہے "بیوی کسی کی سگی نہیں ہوتی" ٹھیک کہتا ہے اس کی اپنی سگی بیوی نہیں۔ ویسے یہ حقیقت ہے کہ عورت مرد کو آزاد نہیں دیکھنا چاہتی' وہ مرد کو بند رکھنا چاہتی ہے وہ اس کابینٹ ہو یا گھر۔ مرد جب گھر سے نکلتا ہے تو اسے بچے کی بجائے جوان کہتے ہیں البتہ جب نکالا جاتا ہے تب اس کے بچوں کو جوان کہتے ہیں۔

اگر آپ کسی کو شادی نہ کرنے کے بارے میں قائل کرنا چاہتے ہیں تو اس کا ایک طریقہ یہ ہے کہ اس کی شادی کر دیں اور تو اور "ف" نے بھی دوسری شادی کے بعد توبہ کر لی کہ اب ساری زندگ دوسری شادی نہیں کروں گا۔ اب وہ کہنے لگا ہے "مجھے بڑی عمر کی عورت سے شادی کرنے پر کوئی اعتراض نہیں بس شادی کرنے پر اعتراض ہے۔" سارا دن مجھے یہ کہہ کہہ کر بے سکون کرتا رہتا ہے کہ شادی نہ ہوتی تو کتنا سکون ہوتا! اب تو میں بھی اس کی باتوں سے قائل ہو گیا ہوں کہ اگر اس کے والد کی شادی نہ ہوتی تو کتنا سکون ہوتا۔

○○○

• بیوہ آدمی

لاہور کا وہ شخص جو کسی گھر میں نہیں رہتا اور جہاں رہتا ہے وہیں گھر کر جاتا ہے۔
اسے لوگ اس عمر میں مہاراج کہنے لگے تھے جس میں اگر کسی کے لئے مہا کا لفظ استعمال بھی ہو تو یقین کر لیں وہ مہا سے ہی ہو گا۔ ہر کام اس کے لئے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ کیونکہ دائیں ہاتھ میں تو چھڑی ہوتی ہے' جو صرف اس وقت دائیں ہاتھ میں نہیں ہوتی جب بائیں ہاتھ میں ہوتی ہے۔ مگر لگتا نہیں اس نے چھڑی پکڑ رکھی ہے' لگتا ہے چھڑی نے اسے پکڑ رکھا ہے۔

اس کی آج تک اپنی بیوی سے لڑائی نہیں ہوئی جس کی ایک وجہ یہ ہے کہ وہ بڑا صلح پسند ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ شادی شدہ نہیں ہے۔ ہمارے ہاں لوگ سب کچھ شادی کے لئے کرتے ہیں' مگر اس نے سب کچھ کیا شادی نہیں کی۔ وہ شادی شدہ مردوں کی نسبت عورت کو زیادہ جانتا ہے اگر نہ جانتا ہوتا تو کب کا شادی کر چکا ہوتا۔
اس سے ملو تو لگتا ہے آپ بیک وقت عورت مرد دونوں سے مل رہے ہیں۔ جبکہ فقیر حسین ساگا سے ملو تو پتہ ہی نہیں چلتا' آپ کس سے مل رہے ہیں؟ موسیقیت عورت کے جسم میں نہ ہو تو وہ عورت نہیں ہوتی اور اگر مرد کے جسم میں آ جائے تو وہ مرد نہیں ہوتا' مرد ہوتی ہے۔ مہاراج ردھم کا اس قدر خیال رکھتے ہیں کہ پان کھا رہے ہوں تو لگتا ہے دانتوں کا رقص ہو رہا ہے۔ خوشی میں سارا جسم ہلا کر بات کرتے ہیں۔ غصے میں بات کر کے جسم ہلاتے ہیں۔ رقص مذکر کیوں ہے؟ اسے رقص کرتا دیکھ لیں تو وجہ سمجھ میں آ جاتی ہے۔
کوئی بھی تخلیق کار اپنی تخلیق کے زیادہ نمونے ویسے بناتا ہے جو اس کے نزدیک سب سے بہتر ہوتے ہیں' اور اللہ تعالیٰ نے سب سے زیادہ آدمی بنائے ہیں۔ عام آدمی ہی اصل

میں آدمی ہوتا ہے اور خاص آدمی اتنا آدمی نہیں ہوتا جتنا خاص ہوتا ہے۔ مہاراج ایک سرعام سا آدمی ہے' لباس میں دکھاوے کا ہر گز ہر گز شوق نہیں۔ جب کبھی ململ کا دوپٹہ لپیٹ کر رات برات چہل قدمی اور چہلیں کرتا ہے تو کیا مجال اس کے سوا کسی اور کو پتہ چلے کہ اس نے کچھ پہن رکھا ہے۔ مولویوں کی جو چیز بڑے تو بڑھتی ہی چلی جاتی ہے' وہ ہے پیٹ' بچے اور بیویاں۔ مگر اس سے کوئی پوچھے کتنے بال بچے ہیں تو کہے گا "آگے سے سر صاف ہو گیا' پیچھے سے بچے ہیں۔"

قبائلیوں کی زندگی سے دشمن کو نکال دیا جائے تو ان کی زندگی کا کوئی مقصد نہیں رہتا' اس کی زندگی سے رقص نکال دیا جائے تو کچھ نہیں رہتا۔ رقص اس وقت ہوتا ہے جب ناچنے والے کی بجائے ناچ نظر آئے۔ جوانی میں اسے ہر طرف مور ناچتے نظر آتے۔ مور اب بھی اس کے چاروں طرف ناچتے ہیں مگر وہ اس عمر میں ہے جہاں نظر صرف ان کے پاؤں آتے ہیں۔ اس کے اندر ایک عورت ہے' آدھے آدھے کام وہ اس عورت کو مطمئن کرنے کے لئے کرتا ہے اور باقی آدھے اس عورت کے مطمئن ہونے کی وجہ سے۔ اس نے کبھی نیکی کو نیکی سمجھ کر نہیں کیا' کام سمجھ کر کیا اور اور کام کو کام سمجھ کر نہیں عبادت سمجھ کر کیا۔ لوگ جوتے اتار کر اس کے سامنے جاتے ہیں۔ ویسے بھی ہمارے معاشرے میں ناچنے گانے والوں کو دیکھتے ہی لوگ جوتے اتار لیتے ہیں۔

پہلے لکھنؤ میں نظر آتا۔ اب لکھنؤ اس کے ہاں نظر آتا ہے اور لکھنؤ میں تو ادب آداب کا اس قدر خیال رکھا جاتا ہے کہ بندہ بچوں کے ختنے نہیں کرا سکتا۔ بچہ کہتا ہے "پہلے آپ' حضور پہلے آپ!"

جو دو منٹ اس کے پاس بیٹھ جائے اسے اٹھنے میں سال لگ جاتا ہے اور جو سال پاس بیٹھا ہو دو منٹ میں اٹھ جاتا ہے۔ لہر میں چلے تو دایاں پاؤں وہاں پڑتا ہے جہاں بایاں پڑنا چاہیے اور جہاں بایاں پاؤں پڑنا چاہیے وہاں وہ خود پاؤں پڑ جاتا ہے۔ پاس سرمایہ نہیں سر ہی مایہ ہے۔

کئی خواتین اسے بھائی سمجھتی ہیں اور جب تک مرد میں کوئی کمی نہ ہو' عورت اسے بھائی نہیں کہتی اور جب تک کوئی خامی نہ ہو بھائی نہیں سمجھتی۔ دوسروں کی بیٹیوں اور بچیوں کے ساتھ یوں پیش آتا ہے جیسے اس کی اپنی بیٹیاں اور بچیاں ہوں۔ دوسروں کی بیویوں کے ساتھ بھی ایسے ہی پیش آتا ہے۔ وہ بیگمات جن کے اشاروں پر کئی صاحب ناچتے ہیں' اس کے اشاروں پر ناچتی ہیں۔انہیں یوں نچواتا ہے کہ آنگن ٹیڑھا کر دیتا ہے۔ سبز لمبا چوغا پہنتا ہے جو بیک وقت ستر پوشی اور فرش پوشی کے کام آتا ہے۔ دوسروں کی حاجت روا کرنے یوں جاتا ہے جیسے حاجت رفع کرنے جا رہا ہو۔ "ف" کہتا ہے "اسے جانوروں سے بڑا پیار ہے کم ازکم میں تو جب بھی اسے ملنے گیا مجھے یہی لگا۔" ہمیشہ اپنی خوبیوں پر نظر رکھتا ہے کیونکہ اسے پتہ ہے سورج اور اپنی خامیوں پر بندہ زیادہ نظر رکھے تو نظر نہیں رہتی۔

زیورات جمع کرنے اور پہننے کا شوق ہے۔ ایک بار ایک شخص نے اس کی سانسیں اور زیورات چرانے کی کوشش کی مگر مہاراج نے اسے پکڑ کر سزا دینے کے لئے پولیس کے حوالے نہ کیا۔ اپنے پاس رکھا اور اس نے ہمیشہ کے لئے ایسے کاموں سے توبہ کر لی۔

میرا دوست "ف" کہتا ہے "رقص اعضا کی شاعری ہے" حالانکہ وہ رقص کر رہا ہو تو لگتا ہے یہ ایذا کی شاعری ہے۔ اس کے بقول رقص دنوں میں نہیں آتا شاید اس کے خیال میں اس کے لئے راتیں بھی ضروری ہیں۔ بہر حال مہاراج کتھک نے رقص کے لئے دن رات ایک کر دیا۔ کیونکہ کتھک تب مکمل ہوتا ہے جب اس میں "تھک" آئے۔ اس نے ڈراموں میں اداکاری بھی کی۔ بیوی تک کا رول کیا مگر کبھی وہاں بھی شوہر کا کردار نہ کیا' جس کی وجہ شاید یہ ہو کہ وہ سائیلنٹ رول کی بجائے مکالموں والے کردار ادا کرنا چاہتا ہے۔

چلتے پھرتے سارے کام پورے کر لیتا ہے۔ یہاں تک کہ نیند بھی اور یہ اسے ہی پتہ ہوتا ہے کہ وہ چلتا ہوا سو رہا ہے یا سویا ہوا چل رہا ہے۔ کسی جگہ کام جاتا ہو تو بھول

جائے گا۔ کس جگہ جانا تھا؟ اگر جگہ پر پہنچ جائے تو بھول جائے گا یہاں کام کیا تھا؟ چالیس سال پہلے نیو دہلی مسلم ہوٹل انارکلی میں آیا تھا' سو ابھی تک وہیں بیٹھا سوچ رہا ہے کہ یہاں کیوں آیا تھا؟

کان ایسے کہ اسے مردانہ آواز صاف سنائی نہیں دیتی۔ جو خاتون پہلی ملاقات میں اس سے متاثر نہ ہو سمجھ لیں اس خاتون میں متاثر کرنے والی کوئی بات نہیں۔

اگر آپ چاہیں کہ زندگی میں کوئی مقابلہ نہ ہاریں تو اس کا سب سے آسان طریقہ یہ ہے کہ آپ کسی مقابلے میں حصہ ہی نہ لیں۔ مہاراج بھی آج تک رقص کے کسی مقابلے میں نہیں ہارا۔ سب سے اچھا رقاص خاوند ہوتا ہے کہ اسے بیوی کی انگلیوں پر ناچنا پڑتا ہے۔ مہاراج کتھک ساری عمر ناچتا رہا مگر شادی اس لئے نہ کی کہ لوگ یہ نہ کہیں کہ یہ فلاں کے اشاروں پر ناچتا ہے۔ اس کی تو رگوں میں بھی خون دوڑتا نہیں' رقص کرتا ہے۔ وہ ان لوگوں میں سے ہے جو پیدا ہونے کے بعد پچاس سال زندہ رہیں تو مرنے کے بعد سو سال تک زندہ رہتے ہیں۔ وہ پاکستان کا واحد رقاص ہے جو ابھی تک واحد ہے۔

○○○

• جیل جانا

گذشتہ دنوں میرے ایک دوست کو غلطی سے پولیس پکڑ کر لے گئی۔ یاد رہے کہ یہ غلطی میرے دوست کی نہیں' پولیس کی تھی۔ لہٰذا اسے فوراً یعنی تین دن بعد چھوڑ دیا گیا۔ مجھے اس خوش قسمت پر رشک آ رہا تھا جسے بلا وجہ جیل میں رہنے کی سعادت نصیب ہوئی' ورنہ یہاں جانے کے لئے تو بڑے بڑے لوگوں کو بھی گھنٹوں تقریریں' توڑ پھوڑ مارکٹائی اور نہ جانے کیا کیا ناپسندیدہ فعل کرنا پڑتے ہیں' پھر کہیں جا کر انہیں جیل جانے کا موقع ملتا ہے۔ لیکن مجھے حیرانی ہوئی کہ لوگ اسے رہا ہونے کی مبارکباد دے رہے تھے۔ حالانکہ مبارکباد تو اسے اس بات کی دینا چاہیے تھی کہ اب وہ عام آدمی نہیں رہا۔ کیونکہ جیل جانے والا انسانوں کے جم غفیر سے یکدم الگ ہو کر اپنی انفرادیت کا احساس دلاتا ہے۔ جیل جاتے ہی وہ اس قدر اہم ہو جاتا ہے کہ اس کی ملاقات کے لئے کئی کئی سفارشی رقعے لانا پڑتے ہیں۔ گھنٹوں انتظار کرنا پڑتا ہے تب کہیں وہ جھروکوں سے جھلک دکھاتا ہے۔ جسے کسی نے کبھی آنکھ بھر کر نہیں دیکھا ہوتا اسے دیکھتے ہی آنکھیں بھر آتی ہیں۔

جیل جانا دراصل شریف ہونا ہے کہ شریف وہ ہوتا ہے جو جرم نہ کرے اور جرم ہمیشہ وہ کرتے ہیں جو جیل سے باہر ہوتے ہیں۔ بلکہ جیل تو دنیا کا وہ خطہ ہے جہاں سب سے کم چوریاں' ڈاکے اور قتل ہوتے ہیں اور پھر جیل جانے کا اس سے بڑا فائدہ اور کیا ہو گا کہ جو بھی ملنے آئے اس سے یہ ڈر نہیں ہوتا کہ ابھی قرض مانگ لے گا۔ مجھے جب سے پتہ چلا ہے کہ چاند پر پانی نہیں ملتا' لمبی لمبی راتیں' طویل دن' سخت موسم اور سانس لینے کے لئے آکسیجن نہیں' تب سے مجھے جیل جانا تو چاند پر جانا ہی لگتا ہے۔

جیل کی دیواریں بہت بلند ہوتی ہیں' اس لئے کہ ہر ایرا غیرا پھلانگ کر اندر نہ آ جائے۔ ورنہ باہر جانے سے تو ان دیواروں نے شاید ہی کسی کو روکا ہو۔ مگر اس قدر

سختی ہوتی ہے کہ آپ باہر سے اندر نہیں جا سکتے۔ میرا دوست "ف" جیل کو انسانی چڑیا گھر کہتا ہے۔ حالانکہ جیل اور چڑیا گھر میں بڑا فرق ہے کہ چڑیا گھر میں تو جانور اندر بند ہوتے ہیں اور انسان باہر سے دیکھتے ہیں جبکہ جیل میں الٹ ہوتا ہے۔ انسان پنجروں میں ہوتے ہیں اور پولیس والے باہر ہوتے ہیں۔

میرا دوست "ف" کہتا ہے "جیل میں کچھ لوگوں کو قید تنہائی میں رکھا جاتا ہے" اسے اعتراض کچھ پر ہے' حالانکہ وہ جانتا ہے اس دنیا میں جو بھی تخلیق ہوا' تنہائی میں ہوا۔ ہر تخلیق کار تنہائی چاہتا ہے۔ خالق کائنات تنہا ہے' اس لئے جیل میں بھی یہ اعزاز ہر کسی کو تو نہیں مل سکتا۔ کچھ لوگوں کو ہی مل سکتا ہے۔ کچھ جیل کو بڑا گھر اور گھر کو چھوٹی جیل کہتے ہیں۔

جیل میں رہنے کی نو مہینے کی ٹریننگ تو خدا ہر انسان کو دے کر زمین پر بھیجتا ہے اور اس دنیا کی پہلی جیل انسانی جسم ہے۔ جس میں بند کرکے انسان کو دنیا میں بھیجا گیا' اسی لئے جب انسان مرتا ہے تو کہتے ہیں وہ ہمیشہ کے لئے آزاد ہو گیا۔ آنکھیں اس جیل کے روشن دان ہیں جن سے انسان ساری عمر باہر جھانکتا رہتا ہے۔ زبان جیلر ہے جو جگہ جگہ پکڑواتی ہے۔ پھر انسان نے اپنے گرد ایک مصنوعی جیل تعمیر کی جو لباس کہلائی۔ دیکھا جائے تو یہ دنیا بھی تو ایک جیل ہی ہے۔ جس میں آنے کے لئے اللہ کے حکم کی نافرمانی کرنا پڑی۔ بلکہ ہم سب حوالاتی ہیں جن کے مقدمے کا فیصلہ روز حشر سنایا جائے گا۔ جنت اور دوزخ بھی تو دو جیلیں ہی ہیں اک میں بندہ خوشیوں کی قید میں ہے اور دوسری میں غموں کی۔

جیل وہ ملک ہے جو دنیا کے ہر ملک میں ہے۔ اس دیس میں بندے کی قدم قدم پر اپنے آپ سے ملاقات ہوتی ہے۔ یہاں سب انسان برابر ہوتے ہیں بلکہ جیل کے ملازمین ہوتے ہی اس لئے ہیں کہ انہیں سارا دن برابر کرتے رہیں۔ جیل میں کوئی سو سال کا بوڑھا بھی ہو جائے تو اسے اس کا پتہ ہی نہیں چلتا جب تک کہ وہ کسی ہم عمر کو نہ دیکھ لے۔ یوں بھی جیل میں سب اسے ہمیشہ جوان مانتے ہیں یعنی اتنا ہی کام لیتے ہیں جتنا

نوجوانوں سے کرواتے ہیں۔ میرا دوست "ف" کہتا ہے سو سال سے زیادہ عمر کے قیدیوں کو اگر ان کے والدین لے جانا چاہیں تو انہیں رہا کر دینا چاہیے تاکہ نوجوان کے لئے سیٹیں خالی ہو سکیں۔

جیل میں ساتھ عورت نہیں ہوتی۔ وہ جیل جس میں ساتھ عورت ہو اسے گھر کہتے ہیں۔ وہ ملک جس میں وہاں کے باشندے اپنی مرضی سے نہ رہیں وہ پورا ملک جیل بن جاتا ہے۔ لیڈر اور لٹیرے میں یہ فرق ہوتا ہے کہ لٹیرا لوٹ مار کرتا ہے تو اسے جیل جانے کا موقع ملتا ہے اور لیڈر جیل جاتا ہے تو کہیں جا کر اسے لوٹ مار کرنے کا موقع ملتا ہے۔ جو کبھی جیل نہیں گیا وہ لیڈر ہی نہیں اور جہاں کوئی لیڈر نہیں وہ جیل ہی نہیں۔

جیل ایک سلطنت ہے جس کے بادشاہ بھی ہوتے ہیں' جو جیل میں کم اور پنجابی فلموں میں زیادہ ملتے ہیں۔ جو کالج سٹوڈنٹ کبھی جیل نہیں گیا' سمجھ لیں وہ کالج کی سرگرمیوں میں دلچسپی نہیں لیتا۔ کہتے ہیں جیل میں آدمی بے کار ہوتا ہے حالانکہ ہمارے ہاں بے کاروں کی فہرست بنائی جائے تو ہر دس بے کار آدمیوں میں سے نو سرکاری ملازم ہوں گے۔ "ف" کہتا ہے "کم ہی سرکاری ملازم بے کار ہوتے ہیں' اکثر کے پاس کار ہوتی ہے۔"

جیل جا کر بندہ نیک ہو جاتا ہے۔ جب وہ ارد گرد اپنے سے بڑے مجرم دیکھتا ہے تو اسے شدید احساس کمتری ہوتا ہے اور وہ خود کو بہت نیک سمجھنے لگتا ہے۔ یوں بھی جتنی توبہ جیل میں ہوتی ہے کہیں نہیں ہوتی۔ عام آدمی بھی جیل جاتے ہی توبہ توبہ کرنے لگتا ہے۔ یہاں ہر مہینے روزے ہوتے ہیں' رمضان میں تو وہ دن میں دو دو رکھتے ہیں۔

جیل میں سب لوگ سیلف میڈ ہوتے ہیں' ان کی شکلیں دیکھ کر اس بات کا یقین بھی ہو جاتا ہے۔ کہتے ہیں جیل کاٹنا بہت مشکل ہے' واقعی سلاخیں اتنی موٹی ہوتی ہیں کہ بندہ اکثر ناکام رہتا ہے۔ جو روز سکول جائے اسے گھر والے موٹر سائیکل لے دیتے ہیں اور جو جیل جائے اسے رکشہ۔

گھر والے اس کام پر ڈانٹتے ہیں جو آپ نے نہ کیا ہو اور جیل والے اس کام پر جو آپ نے کیا ہو۔ ہمارے ہاں اسمبلی میں جانے کے لئے تو کچھ ضروری نہیں مگر جیل جانے کے لئے ذہنی حالت ٹھیک ہونا ضروری ہے۔ اگر ڈاکٹر کہہ دے کہ یہ نارمل نہیں تو آپ کو جیل نہیں ہو سکتی' چاہے آپ قتل ہی کر دیں۔ شہر میں تو انسان کی قدر ہی نہیں۔ آپ گم بھی ہو جائیں تو کسی کو خبر تک نہ ہو گی۔ جیل میں آپ ذرا سا ادھر ادھر ہو جائیں تو پورے ملک کو خبر ہو جائے گی۔

سمجھدار حکمران تو پارکوں' سکولوں اور دیگر رفاہی اداروں کے ساتھ ساتھ دھڑا دھڑ اچھی جیلیں بھی بناتے ہیں کیونکہ جس حکمران کی جیلیں جتنی اچھی ہوں گی اس کا مستقبل بھی اتنا ہی اچھا ہو گا کیونکہ ہمارے ہاں حکمرانوں کا مستقبل یہیں ہوتا ہے۔ لیکن جیل جانا کوئی آسان کام نہیں۔ عام آدمی کا تو ذکر ہی کیا' مغل بادشاہوں کو جیل جانے کے لئے ساری عمر انتظار کرنا پڑا' بیٹا جوان ہو کر امور سلطنت سنبھالنے کے قابل ہوتا تب کہیں جا کر یہ موقع آتا۔ لیکن اب سفارش کا دور ہے لوگوں کو ان کی غیر موجودگی میں جیل ہو جاتی ہے۔ یہی نہیں کئیوں کو تو ان کی غیر موجودگی میں پھانسی تک لگا دیا جاتا ہے۔

آج کل زمانہ اتنی تیزی سے بدل رہا ہے کہ اب تو مغرب میں شادی کی تصویریں بھی پولو رائیڈ کیمرے سے اتارتے ہیں کہ یہ نہ ہو جب تک تصویریں دھل کر آئیں دلہن وہ نہ ہو۔ انسان چاند پر پہنچ گیا ہے مگر اس کے باوجود اتنی ترقی نہیں کر سکا کہ دنیا کے کسی خطے پر ابتدائی انسانی زندگی کے ماحول کو آنے والی نسلوں کے لئے محفوظ کر سکے۔ مگر ٹھہریئے! میری رائے جیل جانے سے قبل تھی۔ جیل میں تو پانچ سو سال پہلے کا انسان بھی آ جائے تو اسے یوں لگے گا جیسے پانچ منٹ بعد آیا ہے۔

دنیا میں اللہ کے پیاروں میں سے ہونا بہت مشکل ہے لیکن جیل میں آپ باآسانی اللہ کو پیارے ہو سکتے ہیں۔ یہاں جو روٹی ملتی ہے تین دن بھی پڑی رہے تو ویسی ہی رہے گی جیسی ملتی ہے۔ وہ تو تین دن پیٹ میں پڑی رہے تو جوں کی توں رہتی ہے۔

بیج دبائیں تو شجر پھوٹتا ہے اور انسان کو دبائیں تو تحریکیں۔ انسانی بیج پھوٹنے کے لئے سب سے سازگار فضا جیل میں ہے۔ "ف" کہتا ہے "یہ ٹھیک ہے کیونکہ جیل میں ' میں نے خود کئی لوگوں کے جسموں کو پھوٹتے دیکھا ہے۔" وہ کچھ بھی کہے جیل کسی معاشرے اور بستی کی محافظ ہوتی ہے۔ فوج ملک کی سرحدوں کی حفاظت کرتی ہے اور اندر کی حفاظت جیلیں کرتی ہیں جو لوگوں کو قانون شکنوں سے بچاتی ہیں۔

دنیا کا بہترین ادب جیلوں میں لکھا گیا۔ جس طرح شادی کے بعد کلام میں سوز اور فراق کا رنگ غالب آ جاتا ہے' ایسے ہی جیل میں رہنے سے کلام میں آزادی اور ترنگ پیدا ہوتی ہے۔ جیل میں بند ہوتے ہی خیالات کے دروا ہو جاتے ہیں۔ میرا دوست "ف" کہتا ہے "سوچنے کے لئے بہترین جگہ غسل خانے' سونے کے لئے کلاس روم اور سرکاری دفاتر جبکہ شاعری کے لئے موزوں ترین جگہ جیل ہے۔" وجہ یہ بتاتا ہے کہ اس کے علاوہ کوئی اور جگہ ایسی نہیں جہاں سے سامعین کے بھاگ جانے کا کوئی امکان نہ ہو۔

جب بندہ جیل سے فارغ التحصیل ہو کر آتا ہے تو وہ جو پہلے اس کے سلام کا جواب نہ دیتے' اب ہر بات پر ان کی طرف سے جواب ہوتا ہے۔ جیل جانا عام سے خاص ہونا ہے اسی لئے روزانہ ہر شہر میں نہ جانے کتنے لوگ بے موت مارے جاتے ہیں' کوئی پوچھتا نہیں۔ مگر جب کوئی جیل میں مر جائے تو تحقیقات شروع ہو جاتی ہیں۔

جس حکومت کے دور میں جیلوں کی تعداد بڑھتی جائے اس کی عمر کم ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ وہ پیغام جو برسوں کی مسلسل تقریریں اور تحریریں دوسروں تک نہ پہنچا سکیں' وہ جیل کی خاموشی آن واحد میں سمجھا دیتی ہے۔ جن لوگوں کو آپ ساری عمر خواب غفلت سے نہ جگا سکیں وہ گرفتار ہوتے ہی بیدار ہو جاتے ہیں۔ انسان ہمہ وقت نیند کی زد میں ہے۔ وہ بظاہر بیدار بہ باطن خواب خرگوش میں مبتلا ہے۔ جب کوئی حادثہ ہوتا ہے تو وہ اچانک ڈر کر بیدار ہو جاتا ہے۔ بس یہی بیداری اور آزادی کا وہ مختصر لمحہ ہے جو ہزاروں برس کی نیند کی تلافی کر دیتا ہے۔ جیل جانا بھی ایک حادثہ ہے جو سوتے ہوئے انسان کی آنکھیں کھول دیتا ہے' اسی میں جیل کی اہمیت ہے۔ جیل بذات خود کچھ نہیں'

یہ تو بیداری کا ایک نقطہ ہے۔ ایک ایسا نقطہ جہاں کھڑے ہو کر ہر شخص اپنے اندر کے قیدی سے ہم کلام ہوتا ہے۔ اسے باہر نکالنے کا راستہ دکھاتا ہے۔

میں تو چاہتا ہوں جیلوں کا معیار اتنا بلند کر دیا جائے کہ بندے کو سزا کے طور پر جیل بھیجنے کی بجائے یہ کہا جائے کہ تمہاری سزا یہ ہے کہ تمہیں جیل نہیں بھیجا جائے گا۔ یعنی تم کبھی بھی بڑے ڈاکو بڑے سمگلر اور بڑے لیڈر نہیں بن سکو گے۔ یوں بھی اب ہمارے ہاں جیلوں میں اتنی جگہ نہیں' جتنے اس کے مستحق افراد! سو اب تو یہی حل ہے جو چند شریف شہری ہیں انہیں جیلوں میں بند کر دیا جائے۔



• ڈاکٹر قریب العزت

نام تو اس کا خادم حسین تھا مگر جب بھی ملتا یہی کہتا کہ آپ کا بھائی عنقریب عزت حاصل کرنے والا ہے۔ یوں پورے ہوسٹل میں وہ ڈاکٹر قریب العزت کے نام سے جانا جانے لگا۔ اس کے سر پر رومال ایسے ہی تھا جیسے آپ کے سر پر بال' اگر ہیں تو! رومال اس کے لباس کا نہیں' جسم کا حصہ تھا۔ اسی لئے جب پریشان ہوتا' رومال کا رنگ اڑا ہوتا۔ کوئی احتراماً ایک بار "سر" کہتا تو جواب دینے سے پہلے رومال درست کرتا۔ اگر کوئی دوسری بار کہتا تو کہنے والے کو درست کرتا۔ بقول "ف" اس کے شناختی کارڈ پر بھی شناختی نشان کے طور پر رومال درج تھا۔ کسی جنازے پر جاتا تو سیاہ رومال اوڑھتا' البتہ کسی لڑکی کو ملنے جاتا تو گلابی رومال سے سرپوشی کرتا۔ امتحان کے دنوں میں سیاہ رومال ہی سے کام چلاتا۔ ایک بار گلابی رومال تانے جا رہا تھا کہ کسی نے شرارتاً رومال اتار دیا۔ یوں لگا جیسے کسی نے بھرے بازار میں کسی لڑکی کے سر سے دوپٹہ اتار دیا ہو۔ اتنی مار کٹائی ہوئی کہ اتارنے والوں کے سروں پر گلابی رومال سے تن گئے۔ بات بڑھی تو پرنسپل نے سب کے والدین کو بلایا' جب اندر گیا تو پرنسپل نے اسے اس کا والد سمجھ کر شکایتیں کیں۔ میں نے کہا "تم نے اپنی صفائی کیوں پیش نہ کی" کہنے لگا۔ "اگر اس وقت میں اپنا والد نہ ہوتا تو پرنسپل کو کھری کھری سناتا" کہتا "میرا والد ہو بہو میرے جیسا لگتا' سو آخری دنوں میں والدہ کی نظر کمزور ہوئی تو میں نے عینک لگوائی۔"

کہتا "ہمارے گھرانے میں اس قدر پردہ ہے کہ کوئی لڑکی اور بزرگ ننگے سر باہر نہیں نکل سکتا۔ میری والدہ تک میرے والد سے پردہ کرتیں۔ والد ہر اس گھر کو جس میں داخل ہوتے ہی خاتون خانہ پردہ کر لیتی اپنا ہی گھر سمجھتا۔ اس لئے دوسروں کے گھر اس وقت تک داخل ہو ہوتا جب تک کسی خاتون کو بے پردہ نہ دیکھ لیتا۔

ڈاکٹر قریب المرگ ہوسٹل سے گھر تب جاتا جب کسی قریبی کا انتقال ہوتا یا کسی کا انتقال قریب ہوتا۔ اسی لئے وہ جب بھی بیگ لے کر کمرے سے نکلتا' پورا ہوسٹل تعزیت کے لئے اکٹھا ہو جاتا۔ ایک بار گھر گیا تو کسی نے اس کے انتقال پر ملال کا نوٹس لگا دیا۔ آج تک قسمیں کھا کھا کر یقین دلاتا ہے کہ یہ کسی کی شرارت تھی' اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔

کمرے میں صرف سونے کے لئے جاتا' اس لئے امتحان کے دنوں میں سارا سارا دن کمرے ہی میں رہتا۔ کہتا" میں بڑی کوشش سے تھرڈ کلاس (جب سے وہ تھرڈ ایئر میں آیا لڑکے بھی اس کلاس کو یہی کہنے لگے) میں آیا۔ ٹھیک ہی کہتا ہے وہ استادوں کی بڑی کوشش سے تھرڈ ایئر میں آیا۔ اس کے خیال میں میڈیکل عجیب پروفیشن ہے کہ آپ دن رات اس وجہ کو ختم کرنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں' جس کی وجہ سے یہ پروفیشن ہے۔ اکثر کہتا "میں نے جوں جوں جدید طریقہ علاج کا مطالعہ کیا ہے' میرا یہ یقین پختہ ہو گیا ہے کہ شفا خدا کے ہاتھ میں ہے۔" اس کے نزدیک ڈاکٹر کو مسیحا اس لئے کہتے ہیں کہ آج کل لوگ ڈاکٹر کے پاس مریض کو اس وقت لاتے ہیں' جس وقت اور حالت میں آج سے انیس سو سال پہلے حضرت مسیح کے پاس لے کر جاتے۔

بیمار کے مرض کی تشخیص تو ہر ڈاکٹر کر سکتا ہے' مگر وہ تندرست کے مرض کی تشخیص ایک نظر میں کر لیتا۔ میرے ساتھ کسی خوبصورت لڑکی کو ایک بار دیکھ لیتا تو فوراً اس کی آنکھوں کے لئے دوائی تجویز کرتا۔ دوسری بار دیکھتا تو دماغ کی اور اگر میرے ساتھ تیسری بار اسے وہ خوبصورت نظر آتی تو اپنی آنکھوں کے لئے دوا تجویز کرتا۔ اس کے نزدیک فلو کی دوائی کھاؤ تو بندہ ایک ہفتے میں ٹھیک ہو جاتا ہے۔ اگر نہ کھاؤ تو ٹھیک ہوتے ہوتے سات دن لگ جاتے ہیں۔ کہتا ہے "شراب دنیا کا واحد محلل ہے جس میں شرافت بھی حل ہو جاتی ہے۔" ایک دن میرا لکھا ہوا نسخہ دیکھ کر کہنے لگا "بھئی! بچگانہ نسخہ ہے یعنی اتنا صاف کہ بچہ بھی پڑھ سکتا ہے' حالانکہ اصل ڈاکٹر وہ ہوتا

ہے جس کی تحریر صرف میڈیکل سٹور والا پڑھ سکے۔" کہتا "بہترین دوائی ڈاکٹر ہوتا ہے" شاید اسی لئے اسے دیکھ کر بچوں کے چہرے پر وہی تاثرات ہوتے ہیں جو دوائی دیکھ کر ہوتے ہیں۔

جب سے اس نے کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج لاہور کے مرمریں گنبد دیکھے پھر اس نے کبھی اسے کنگ ایڈورڈ نہ کہا' ہمیشہ کوئین ایڈورڈ کہتا۔ دیکھنے میں یہ کالج گورستان یعنی گوروں کا دیس لگتا ہے۔ اناٹومی ڈیپارٹمنٹ ایسا ہے کہ اندر مردے نہ ہوں پھر بھی لگتا ہے کہ ہیں۔ کالج میں مخلوط تعلیم ہی نہیں مخلوط طالب علم بھی ہیں۔ کہتا ہے سارے ملک سے یہاں ذہین طالب علم اکٹھے ہوتے ہیں۔ یہ صرف وہ اپنے آپ کو ذہین ثابت کرنے کے لئے کہتا ہے ورنہ اسے پتا تھا کہ ذہین آدمی مشکل ہی سے اکٹھے ہوتے ہیں اور جو اکٹھے ہوتے وہ مشکل سے ہی ذہین ہوتے ہیں۔

لڑکی گزرتی دیکھ کر تو گزر ہی جاتا' مگر کہتا میں نے وہ کام بچپن میں ہی کر لیے ہیں جو آپ آج کل کر رہے ہیں' یعنی بچپن میں لڑکیوں کے ساتھ کھیلا کرتا۔ ڈاکٹر قریب العزت دنیا کے ہر موضوع پر بلا تھکان بول سکتا ہے' مگر سن کسی موضوع پر نہیں سکتا۔ "ہالی وڈ کی اداکارائیں کچھ پہن لیں تو ننگی لگنے لگتی ہیں' لیکن ہماری ہیروئنیں اس قدر موٹی ہیں کہ کچھ بھی نہ پہنیں تو پھر بھی ننگی نہیں لگتیں۔"

پہلے لڑکی کو دیکھتے ہی انگریزی پر آ جاتا اور اسی پر رہ جاتا۔ کہتا "میں نے جب بھی کسی کلاس فیلو لڑکی سے اظہار محبت کیا' اس نے حوصلہ افزائی کی" حالانکہ یہ بات تھی کہ جب یہ مدعا بیان کرتا تو اس کی محدود انگریزی اور لامحدود انگ ریزی کی وجہ سے لڑکی یہ سمجھتی کہ لیکچر میں کوئی پوائنٹ سمجھ میں نہیں آیا' وہ پوچھ رہا ہے۔ جب وہ پوائنٹ واضح کرتی تو ڈاکٹر قریب العزت سمجھتا کہ وہ سلیجھے ہوئے انداز میں اظہار محبت کر رہی ہے۔ لیکن پھر اس نے انگریزی میں لکھنا اور بولنا بند کر دیا۔ البتہ دستخط انگریزی ہی میں کرتا کہ کہیں دوسرے یہ نہیں سمجھیں کہ اسے انگریزی نہیں آتی۔ کہتا "میں

کسی سے غیروں کی زبان میں بات کیوں کروں؟" اس لئے جہاں دوسرے انگریزی میں ہائے! کہتے یہ اردو میں ہائے! کہتا۔ اس قدر شرمیلا کہ کسی اور کے سامنے عورت کا ایکس رے نہ دیکھتا' تنہائی میں دیکھا کرتا۔ وہ ایکس رے دیکھ کر بتا دیتا کہ لڑکی کنواری ہے یا شادی شدہ۔ اس کے نزدیک شادی شدہ کے جبڑوں کی ہڈیاں زیادہ گھسی ہوتی ہیں۔

وہ روز کپڑے بدلتا اور میلے کچیلے کپڑے اتار کر ایک ڈرم میں ڈال دیتا۔ جب یہ ڈرم بھر جاتا تو اسے الٹا کر پھر سے وہی کپڑے دوبارہ پہننے لگتا۔ کپڑے ہی نہیں روز جوتے بھی بدلتا جس کے لئے اسے مسجد جانا پڑتا۔ نظر کی عینک اس وقت لگاتا جب صبح نہانے کے لئے صابن دانی سے صابن تلاش کرنا ہوتا۔

ڈاکٹروں کی بے روزگاری کی وجہ سے کہتا کہ میرے حالات اجازت نہیں دیتے کہ میں بے روزگار رہوں ۔ سو آج تک بے روزگار نہ بنا' یعنی ڈاکٹر نہ بنا۔ گھر صرف مہینے میں ایک بار تنخواہ لینے جاتا۔ اس کے والد نے بھی کبھی ملازمت نہ کی۔ وہ ملازم کو ملزم کی جمع سمجھتے۔ والدہ غیر شرعی عورت ہونے کی وجہ سے والد کی شعر انگیزیوں کو برداشت کر لیتی۔ ڈاکٹر قریب العزت والدہ سے اس قدر محبت کرتا کہ اگر کوئی مرد اسے بیٹا کہہ دیتا تو مرنے پر اتر آتا۔ ماں جب کام کہتی تو جوتا اتار کر دو زانو ہو کر اس کی بات سنتا اور اس وقت تک یونہی بیٹھا رہتا جب تک وہ خود وہ کچھ نہ اتار لیتی جو اتار کر یہ بیٹھا ہوتا۔

ایک دن کہنے لگا "مجھے کہا جائے کہ تمہیں پاکستان کی بادشاہی چاہیے یا برطانیہ کی' تو میں جھٹ سے کہوں گا بچپن کی" یہ بچہ ہوسٹل میں آ کر بچہ نہ رہا۔ ویسے بھی بندہ ہوسٹل میں ایک ماہ رہے تو اسے ہر عورت خوبصورت لگنے لگتی ہے اور ایک سال رہے تو ہر خوبصورت چیز عورت لگنے لگتی ہے۔ ایک روز ہوسٹل گیٹ کے پاس ایک کار سے جا ٹکرایا۔ وجہ یہ تھی کہ وہ اور کار والا ایک ہی جگہ دیکھ رہے تھے۔ یعنی فٹ پاتھ پر بلیو کپڑوں میں ملبوس ایک دوشیزہ جو یوں چل رہی تھی جیسے اس کے کپڑے کے رنگ

کی فلم چل رہی ہو۔ دھماکا ہوا' ڈاکٹر قریب العزت اپنی عزت یعنی رومال سے دور جا گرا۔ لڑکے بھاگے کہ ڈاکٹر موصوف کو اٹھائیں۔ لڑکوں کو دیکھ کر اس کا رنگ پیلا پڑنے لگا۔ نیم بے ہوشی میں جیسے تیسے کرکے اٹھا' رومال سر پر یوں فکس تھا' لگتا کسی درزی نے نہیں نائی نے بنایا ہے۔

وہ جب ہوسٹل میں آیا تھا تو بات بات پر گالی دیتا۔ ہوسٹل میں رہ کر البتہ یہ تبدیلی آ گئی کہ اب بے بات گالی دینے لگا۔ گلوکاری بھی سیکھ لی کہ ہوسٹل میں جسے گانا نہ آئے وہ نہا نہیں سکتا' کیونکہ غسل خانوں کی کنڈیاں تو ہوتی نہیں اس لئے گاتے رہنا پڑتا ہے تاکہ دوسروں کو پتا چلتا رہے کہ اندر کوئی ہے۔ یہی نہیں ہوسٹل کے تو پنکھے بھی بجلی سے نہیں چلتے' ہوا سے چلتے ہیں۔ کہتا "ہمارے بزرگ نبی تھے" واقعی اس کا شجرہ نسب دو ڈیڑھ لاکھ سال قبل اللہ کے نبی حضرت آدم علیہ السلام سے جا ملتا ہے۔

ہوسٹل میں ہمیشہ لڑکے اس کی چاروں طرف ہوتے۔ دور سے یوں لگتا جیسے کاندھا دے کر لا رہے ہوں۔ کسی لڑکی کو ڈبل کراس کرنا تو دور کی بات کبھی کراس تک نہ کیا۔ جہاں لڑکی دیکھی اس کے پیچھے نیت باندھ لی۔

پچھلے دنوں اس کی ممانی کو میر تقی میر پسند کرنے پر طلاق ہو گئی۔ وجہ پوچھی تو بولا "ہمارے ہاں تو غیر مرد کو پسند کرنے پر قتل ہو جاتے ہیں' طلاق تو کچھ بھی نہیں۔" میں نے کہا "تم تو کہتے تھے' تمہارے خاندان والوں کو علم و فضل سے بہت لگاؤ ہے۔" بولا "ہاں اتنا لگاؤ ہے کہ جس دن علم و فضل میں سے کوئی چھٹی پر ہو' میرے دادا تو کسی اور نوکر سے حقے کی چلم نہیں بھرواتے۔"

سات ماہ قبل اس کے والد کے پھر مرنے کی اطلاع ملی تو میں نے پوچھا "وہ تو ابھی پچھلے مہینے مرے تھے؟" کہنے لگا پچھلے مہینے مرے تو تھے مگر ہمسائی پر! وہ حریصہ اور ہریسہ پر جان چھڑکتے تھے مگر اس بار عورت کے بجائے اللہ کو پیارے ہوئے ہیں۔" اس کے نزدیک صبح اٹھنا فضول خرچی میں شمار ہوتا۔ سو اس وقت اٹھتا جب دوپہر کا کھانا

کھانا ہوتا۔ کہتا "ناشتے کے پیسے بچتے ہیں۔" کینٹین پر روزانہ ایک سیٹ چائے کا آرڈر دے کر آتا مگر کبھی اس کے کمرے میں چائے نہ پہنچی' جس پر وہ ہر ماہ کینٹین والوں کا شکریہ ادا کرتا کہ ان کے تعاون نہ کرنے سے اسے تین سو روپیہ ماہوار بچت ہوتی ہے۔

مخلوط تعلیم کے بارے میں کہتا "اب تو گلی گلی میرج سنٹر کھل گئے ہیں' اس لئے اب مخلوط تعلیم کی ضرورت نہیں رہی" کہتا "ایف اے کرنے سے انسان اچھا آدمی بن جاتا ہے' بی اے کرنے کے بعد پتا چلتا ہے کہ اچھا آدمی بننے کا کوئی فائدہ نہیں اور ایم اے کرنے کے بعد پتا چلتا ہے کہ ایم اے کرنے کا بھی کوئی فائدہ نہیں۔ یہ ڈگریاں دراصل تعلیمی اخراجات کی رسیدیں ہیں۔"

عمارت کو گنبدوں سے دیکھنا شروع کرتا' عورت کو بھی ایسے ہی دیکھتا۔ پاکستان میں منصوبہ بندی والوں کی ناکامی کو اپنی کامیابی سمجھتا' کیونکہ والدین کی گیارہویں اولاد تھا۔ کہتا "منصوبہ بندی کامیاب ہو سکتی تھی مگر اس وقت شروع کی جاتی جب یہ منصوبہ بندی والے ابھی خود پیدا نہیں ہوئے تھے۔" کہتا "اب تو سب کچھ بدل گیا ہے اور تو اور ہوسٹل سے کالج کا فاصلہ وہ نہیں رہا جو دس سال پہلے تھا۔۔۔ بڑھ گیا ہے۔"

ہر برٹ ہارڈ کہتا ہے "میں تمہیں کامیاب ہونے کا کوئی فارمولا نہیں بتا سکتا' البتہ ناکامی کا بتا دیتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ ہر کسی کو خوش کرنے کی کوشش کرو۔" ڈاکٹر قریب العزت نے بھی یہی کام کیا۔ ٹیلی فون ہوسٹل کی مقبول اور مصروف ترین ان ڈور گیم ہے۔ اسی لئے وارڈن کا حکم تھا کہ کوئی طالب علم اپنی ذاتی کال پر پانچ منٹ سے زیادہ وقت نہ لگائے۔ سو طلبہ جب تک رانگ نمبر نہ ہوتا' زیادہ دیر نہ لگاتے۔ لیکن ڈاکٹر قریب العزت کو کبھی کسی نے فون سنتے نہ دیکھا تھا۔ ایک دن میں اپنے کمرے میں پڑھ رہا تھا کہ پتا چلا' ڈاکٹر قریب العزت فون سن رہا ہے۔ خبر ملتے ہی لڑکوں کی ٹولی فوراً اسے مبارکباد دینے ٹیلی فون بوتھ پر پہنچی تو وہاں جو شخص ٹیلی فون سن رہا تھا اسے

کوئی پہچان نہ سکا' کیونکہ آج تک کسی نے اسے ننگے سر نہ دیکھا تھا۔ اس کا سر ہمیشہ کے لئے ننگا ہو گیا تھا' اس کی والدہ ہاسپٹل میں انتقال کر گئی تھی۔ اسی روز وہ بھی ہوسٹل سے انتقال کر گیا۔ جاتے ہوئے اس کے سر پر رومال نہ تھا' مگر کوئی اس کا ننگا سر نہ دیکھ سکا' کیونکہ ہر دیکھنے والی آنکھ پر آنسوؤں کا رومال سا تنا ہوا تھا۔

○○○

• فن کا لیبر روم

فن و ثقافت سے وابستہ جو شخص یہ کہے کہ میں اعظم خورشید کو نہیں جانتا' وہ جھوٹ بول رہا ہے اور جو یہ دعویٰ کرے کہ میں اسے جانتا ہوں وہ بھی جھوٹ بول رہا۔ وہ بڑا مشکل آدمی ہے اور سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ بڑا آسان لگتا ہے۔ شکل و صورت سے اپنا بیٹا اور کام سے اپنا باپ لگتا ہے۔ لباس کے معاملے میں اس قدر محتاط کہ رات کو سوتے وقت پہلو بعد میں بدلتا ہے' لباس پہلے بدل لیتا ہے۔ وہ تو جس کے پاس بیٹھے اس نے جو ساڑھی صبح پہنی ہو' شام کو بدلی ہو گی۔ اگر ساڑھی وہی ہے تو پہننے والی بدلی ہو گی۔ خوبصورتی سے اس قدر لگاؤ ہے کہ جس کام کا نتیجہ خوبصورت نہ ہو اس کام کو غلط سمجھتا ہے۔

اعظم خورشید آیئنے کی طرح ہے اور آج تک کوئی آئینہ ایسا نہیں بنا جس نے عورت سے کہا ہو کہ تم خوبصورت نہیں۔ عورت کے منہ پر سچ کہنا دارصل اسے برا بھلا کہنا ہے بلکہ جو شخص کہے میں نے کبھی عورت سے جھوٹ نہیں بولا' اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ساری عمر عورت سے نہیں بولا۔ اعظم خورشید اپنے بارے میں اس قدر سچ بولتا ہے کہ جھوٹا لگتا ہے۔ اس کی گھڑی ٹائم صحیح بتائے نہ بتائے ڈیٹ صحیح بتائے گی' اس لئے جب بھی گھڑی دیکھے گا یہ جاننے کے لئے کہ اب کون سی ڈیٹ کا وقت ہے۔ اس کی لائف ہسٹری ذرا سی ایڈیٹ کر لی جائے تو حسینہ معین کی کئی سیریلز بن سکتی ہیں۔

موڈ میں ہو تو گیت سنائے گا' تعریف کرو تو اور سنائے گا' نہ کرو تو بھی اور سنائے گا کہ یہ پہلے سے بہتر ہے۔ ایک سگریٹ پینے میں پندرہ منٹ لگا دے گا۔ "تف" بھی اتنی ہی دیر لگاتا ہے لیکن اس میں چودہ منٹ سگریٹ مانگنے کے ہوتے ہیں۔

اپنے کسی ذاتی مسئلے کے لئے پانچ منٹ سے زیادہ پریشان نہیں ہوتا۔ اگر وہ ذاتی مسئلے کے لئے اس سے زیادہ پریشان رہے تو یقین کر لیں یہ مسئلہ ذاتی تو ہے مگر کسی اور کا۔ ویسے وہ اکیلا پاکستان کی آدھی آبادی کے مسئلے حل کرنے کا حوصلہ رکھتا ہے۔ آدھی آبادی اس لئے کیونکہ پاکستان میں اتنی ہی عورتیں ہیں۔

اس کی صحت کا راز رات کو دیر سے سونے اور صبح دیر سے اٹھنے میں ہے۔ یوں بھی شہروں میں جو جلدی سوئے اور صبح جلدی اٹھ جائے' محلے والے اس پر شک کرنے لگتے ہیں۔ اس قدر خود پسند ہے کہ پوچھو "تم نے خوب سیر کی؟" تو کہے گا "ہاں میں نے خوب دوبئی کو سیر کرائی" وہ نئے انداز سے بات کرتا ہے۔ کوئی کہے کہ سالن میں نمک زیادہ ہے تو وہ کہے گا ہاں اس نمک میں سالن کم ہے۔

ٹی وی پروڈیوسرز ہوم ورک کے بہت قائل ہیں۔ اس لئے جن کو ڈراموں میں کام دیتے ہیں ان سے "ہوم ورک" بھی کراتے ہیں۔ اعظم جانتا ہے کہ ہر زمانے میں ہدایت ہمیشہ اوپر سے اتری' اس لئے ٹی وی کا افسر ہوتے ہوئے وہی کرتا ہے جس کی ہدایت اوپر سے آتی ہے۔

اعظم خورشید شعر کہتا نہیں' شعر پیدا کرتا ہے مگر "بڑے آپریشن" سے! جو لفظ دوسرے کی سمجھ میں نہ آئے گفتگو میں استعمال نہیں کرتا' نظم میں کرتا ہے۔ اس کی شاعری اسی کی طرح کی ہے یعنی مشکل اور خوب شکل! سنا ہے آج کل وہ اپنی نظموں کو منظوم کرنے کے بارے میں سوچ رہا ہے۔ اس کے شعر سے بندہ چار بار محظوظ ہوتا ہے۔ ایک بار جب وہ شعر سناتا ہے' دوسری بار اس وقت جب آدمی سنتا ہے' تیسری بار جب یہ شعر سمجھاتا ہے اور چوتھی بار جب بندے کو شعر کی سمجھ آتی ہے۔ ہمیشہ اپنا غیر مطبوعہ کلام سناتا ہے جسے سن کر کلام سمجھ آئے نہ آئے اس کے غیر مطبوعہ ہونے کی سمجھ آ جاتی ہے۔

جن میاں بیوی میں کبھی جھگڑا نہیں ہوا' مجھے ان پر ترس آتا ہے کیونکہ اس کی ایک

ہی وجہ ہو سکتی ہے اور وہ یہ ہے کہ انہوں نے آج تک ایک دوسرے کو میاں بیوی تسلیم ہی نہیں کیا۔ عبیدہ اعظم اور خورشید اعظم کے تعلقات سے ایسا ہی لگتا ہے۔ عبیدہ اس کی بیوی تو لگتی ہے مگر ہونے والی۔ آدمی جس نظر سے دوسروں کی بیویوں کو دیکھتا ہے اس نظر سے ایک بار اپنی بیوی کو دیکھ لے تو ایک ہفتہ کی خوشگوار ازدواجی زندگی کی ضمانت دے سکتا ہوں۔ اگر زیادہ بار دیکھ لیا تو پھر خوشگوار ازدواجی زندگی واقعی ایک ہفتہ ہی ہو گی۔ اکثر دوست عبیدہ اور اعظم کی وجہ سے پریشان رہتے ہیں۔ ان کی پریشانی کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ یہ دونوں کبھی پریشان نہیں ہوتے۔

گھر میں اعظم کا کمرہ آپ کو ایک نامکمل سا عجائب گھر لگے گا جو آپ کے جاتے ہی مکمل ہو جائے گا۔ اس کمرے میں سکوں سے لے کر سکون تک اور ذرے سے لے کر خورشید تک بڑی نایاب کولیکشن ہے۔ اسے پرانی چیزوں سے بہت لگاؤ ہے جس کی وجہ سمجھ میں آئے نہ آئے' اس کی کامیاب ازدواجی زندگی کی وجہ سمجھ میں آ جاتی ہے۔ حالانکہ بیوی جتنی پرانی ہو اتنی ہی پرائی ہوتی ہے' لیکن وہ عجیب شخص ہے اس عمر میں بھی اس کے پاس بیوی سے چھپانے کو کچھ نہیں' حالانکہ جس لڑکی کے پاس شادی سے پہلے کچھ چھپانے کو نہ ہو جس مرد کے پاس شادی کے بعد کچھ چھپانے کو نہ ہو' ان دونوں کا میڈیکل چیک اپ ہونا چاہیے۔

اعظم خورشید جوان ہے یا بوڑھا' مجھے معلوم نہیں۔ میں تو اتنا جانتا ہوں جو شخص ایک وقت میں ایک سے زیادہ لڑکیوں سے دوستی کرے' وہ بوڑھا نہیں ہو سکتا اور جو ایک وقت میں ایک سے زیادہ لڑکیوں سے دوستی نبھائے' وہ نوجوان ہرگز نہیں ہو سکتا۔ شاعروں اور اداکاروں کو عزت دیتا ہے۔ ظاہر ہے دوسروں کو وہی چیز دی جاتی ہے جو ان کے پاس نہیں ہوتی' مگر کسی سے کچھ نہیں لیتا۔ اس نے تو کبھی کسی لڑکی سے یہ نہیں کہا کہ دو ہاتھ! ہمیشہ کہا لو ہاتھ! وہ شاعر ہے مگر یہ دعا نہیں مانگتا کہ چاند اس کے گھر میں اترے' وہ خود چاند کے گھر میں اتر جاتا ہے۔ اگر آپ اسے پسند ہیں تو بڑی دیر

بٹھانے کے بعد آپ کا کام کرے گا اور اگر ناپسند ہیں تو آپ کے بیٹھنے سے پہلے ہی آپ کا کام کر دے گا۔

اعظم خورشید کو خوبصورتی سے عشق ہے اور ایک دن وہ خود کو آئینے میں دیکھ کر اپنے آپ پر عاشق ہو گیا۔ اس دن سے اپنے بالوں میں یوں انگلیاں پھیرتا ہے جیسے محبوب کے بالوں میں پھیر رہا ہو۔ اب تو اس نے شیشے کے سامنے کپڑے بدلنے شروع کر دیئے ہیں۔ اپنے دوستوں کی طرح خود کو بڑی لفٹ کرانے لگا ہے۔ جیسے امجد اسلام امجد اپنے ہر بال پر ایک منٹ لگاتا ہے' یوں اسے صرف بال سنوارنے میں پورے دس منٹ لگتے ہیں۔ مگر اعظم خورشید نے بال چھوٹے کرا لئے ہیں کہ بال اور قدم چھوٹے ہوں تو گرنے کا خطرہ کم ہو جاتا ہے۔

جیسے اظہر جاوید کسی لڑکی کی تحریر اپنے رسالے میں نہ چھاپے تو اس سے اس کا رائٹر ہونا اتنا مشکوک نہیں ہوتا جتنا لڑکی ہونا! ایسے ہی جس سے اعظم تنہائی میں ملنے سے گھبرائے' لوگ اس کو شک کی نظر سے دیکھنے لگتے ہیں۔

اگر کوئی مجھ سے پوچھے کہ اعظم خورشید گلوکار' موسیقار' اداکار' صدا کار' مجسمہ ساز' رائٹر یا ڈائریکٹر کس حیثیت میں سب سے اچھا ہے؟ تو میں کہوں گا وہ بحیثیت اعظم خورشید سب سے اچھا ہے۔ اسے ملنے کے بعد آپ کو اس سے محبت ہو نہ ہو' زندگی سے ضرور محبت ہو جائے گی۔

ooo

- لڑانا

ہمارے ہاں ہمسایوں کا ایک ہی فائدہ ہے کہ ان کی موجودگی میں بیوی کو خاوند سے لڑنے کا کم سے کم موقع ملتا ہے۔ گذشتہ دنوں ہمارے ایک ایسے ہمسائے ویگن کی طرح اپنی بیوی کے اشارے توڑتے ہوئے ہمارے سامنے آ "پارک" ہوئے۔ "تمہارا بھائی ہے ناں۔۔۔" اور انہوں نے بات اپنی شخصیت کی طرح ادھوری چھوڑ دی۔ میں سمجھ گیا وہ کیا کہنا چاہتے ہیں! دراصل محلے میں میری ساری عزت چھوٹے بھائی کے دم قدم سے ہے' یعنی لوگ اس کی حرکتوں سے اس قدر تنگ ہیں کہ اب مجھے اچھا کہنے لگے ہیں' لیکن موصوف نے چہرے کے چوراہے پر دھرنا مارے بیٹھی ناک کو دائیں بائیں سلام پھراتے ہوئے اپنے منہ کے ڈراپر سے میرے کانوں میں لفظوں کے وہ قطرے ڈالے کہ مجھے یقین ہو گیا کہ ضرور میرے کان خراب ہیں۔ فرمایا"تمہارا چھوٹا بھائی ایک دن ضرور بڑا آدمی بنے گا' اس میں بڑے آدمیوں والی خوبیاں ہیں۔" وجہ یہ بتائی کہ آج اس نے محلے کے دو لڑکوں کو لڑایا ہے اور امید ظاہر کی کہ اگر وہ اسی طرح محنت کرتا رہا تو کل دو محلوں کو لڑائے گا' پھر پورے شہر کو اور آخر میں ملکوں کو لڑائے گا۔ یعنی صدر بن جائے گا۔

میرا دوست "ف" جس کے ہاں عمر کے علاوہ کسی چیز میں پختگی نہیں' کہتا ہے کہ بڑے آدمی بنتے نہیں بلکہ پیدا ہوتے ہیں اور مثال کے لئے خود کو پیش کرتا ہے۔ بلا شبہ بڑا ہونے کی اس میں پیدائشی خوبی ہے کہ وہ سب بھائیوں سے بڑا ہے بلکہ اس کی بہن جس نے موصوف کو گود میں لے کر کئی گل کھلائے' وہ بھی اسے خود سے بڑا کہتی ہے۔

دنیا میں وہ جسے صرف بے وقوف آسانی سے کر سکتا ہے اور جوں جوں عقل مند ہوتا ہے اس کے لئے یہ مشکل ہوتا جاتا ہے ' لڑنا ہے۔ اور وہ کام جو بے وقوفوں کے لئے مشکل اور جوں جوں انسان عقل مند ہوتا جائے آسان ہوتا جاتا ہے وہ لڑانا ہے۔

لڑنا تو ان کاموں میں سے ہے جن میں عقل استعمال کرنا عقل مندی نہیں' بلکہ وہ بڑا بے وقوف ہے جو لڑنے کے لئے عقل کا استعمال کرے۔ اگر آپ دو آدمیوں کو لڑاتے ہیں تو آپ ان کے رحم و کرم پر ہیں۔ اگر دو ملکوں کو لڑاتے ہیں تو وہ آپ کے رحم و کرم پر ہیں۔

لڑنے میں ہار جیت اور لڑانے میں جیت ہی جیت ہوتی ہے۔ کہتے ہیں امن چاہتے ہو تو لڑنے کے لئے تیار رہو۔ میں کہتا ہوں "امن چاہتے ہو تو لڑانے کے لئے تیار رہو" اگر خود ہی لڑنے بیٹھ جاؤ گے تو امن سے خاک رہو گے۔ انگریزوں کی ہندوستان پر حکومت "لڑاؤ اور حکومت کرو کی عملی تفسیر ہی تو ہے۔

لڑنا دنیا کا وہ واحد کام ہے جو بلا سوچے سمجھے ہی بہتر کیا جا سکتا ہے۔ عورتوں اور مردوں کے لڑنے میں یہ فرق ہے کہ مرد لڑنے سے پہلے وجہ ڈھونڈتے ہیں اور عورتیں لڑنے کے بعد۔ ہمارے ہاں باتیں کرنے' لڑنے اور کھانے کا ایک ہی اصول ہے یعنی سب سے پہلے شروع کرو اور سب سے آخر میں ختم کرو۔ میں تو اپنے حق کے لئے بھی لڑنے کے حق میں نہیں کہ لڑنے سے مسائل حل نہیں ہوتے بلکہ یہ تو بذات خود دور حاضر کا سب سے بڑا مسئلہ ہے۔

لڑنے اور لڑانے سے آدمی کی اصلیت کا پتہ چلتا ہے۔ جتنی معمولی بات پر کوئی لڑنے لگے اتنا ہی وہ کمینہ ہو گا اور جتنی معمولی بات پر لڑائے گا وہ اتنا ہی ذہین اور عقل مند ہو گا۔

انسانی تہذیب کا پورا سفر لڑنے کے گھٹیا فعل سے لڑانے کے منصب عالیہ تک پہنچنے کی کہانی ہے۔ پہلے وہ جانوروں کی طرح لڑتا رہتا' پھر اس نے ایک دن عقل لڑائی اور انسان بن گیا۔ آج بھی انسان اور جانور میں بڑا فرق یہ ہے کہ جانور لڑتے ہیں اور انسان لڑاتا ہے۔

لڑنے والے تو مٹ جاتے ہیں۔ آپ تاریخ کے گریبان میں جھانکیں تو پتہ چلے کہ جتنے بھی بڑے بڑے حکمران ننگی تلواریں لئے آپ کو گھور رہے ہیں وہ سب لڑانے والے

ہیں' لڑنے والے نہیں۔

کہتے ہیں شادی کے بعد آزادی چھن جاتی ہے جس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ شادی کے بعد آدمی لڑانے والے کی بجائے لڑنے والا بن کر رہ جاتا ہے۔ اسے تو آنکھیں تک لڑانے کی اجازت نہیں ہوتی اور بیوی جس کے ساتھ چاہے اسے لڑا سکتی ہے۔ دنیا میں زن' زر اور زمین کی کمی لڑنے کا باعث ہے' جب کہ زن' زر اور زمین کی زیادتی لڑانے کا۔ کسی دانشور کا مقولہ ہے "لڑاؤ اور مزے اڑاؤ۔" لیکن "ف" کے خیال میں یہاں لڑانے سے مراد آنکھیں لڑانا ہے۔ اسے کہنا بھی یہی چاہیے کہ یہی وہ لڑانا ہے جس میں عقل کی بجائے صرف آنکھیں استعمال کی جاتی ہیں۔

میں جب بھی آسمان کی طرف دیکھتا ہوں۔ مجھے وہ بہت بڑی نیلی سی آنکھ لگتا ہے جو مسلسل زمین پر لگی ہوئی ہے۔ جب یہ آنکھ بخارات سے اٹ جاتی ہے تو اس میں آنسو آ جاتے ہیں۔ پھر یہ اس قدر روتی ہے کہ اس پورے بدن پر نیل پڑ جاتے ہیں۔ یہ آنکھ وہ تماشائی ہے جس نے زمین پر نیکی بدی کو لڑا رکھا ہے۔ اس آنکھ کا نور اس لڑائی کا باعث ہے۔ جس دن یہ لڑائی ختم ہو گئی' یہ آنکھ بند ہو جائے گی اور قیامت آ جائے گی۔

میرا دوست "ف" کہتا ہے "لڑانا ایک نسوانی مرض ہے" لیکن میرے خیال میں خود اسے مرض نسواں لاحق ہے جو وہ ہر خوبی عورتوں کے کھاتے میں ڈال کر "بری الخوبی" ہو جاتا ہے اور تو اور اسے تو "خوشبو" بھی پروین شاکر کی پسند ہے۔ لیکن جہاں تک لڑانے کے عمل کا تعلق ہے وہ کسی عورت کا محتاج نہیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ ہمیشہ عورتوں نے اس کا سہارا لیا۔ یہ الگ بات ہے کہ لڑانا ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل بلکہ آج کل تو ان کے بائیں بازو کا کھیل ہے۔ وہ اس وقت بھی لڑانے کے فن سے آشنا ہوتی ہیں جب وہ لڑنے کے مکروہ عمل سے بے خبر ہوتی ہیں۔ شاید اسی لئے ہمارے ہاں اب بھی گھر میں لڑکی پیدا ہوتے ہی لڑائی شروع ہو جاتی ہے جو اس وقت تک جاری

رہتی ہے جب تک وہ بڑی ہو کر خود یہ کام کرنے کے قابل نہ ہو جائے۔

اس دور میں عشق لڑانے کا ایک ہی اصول ہے' اس سے پیشتر کہ دوسرے کو آپ سے اچھا مل جائے اور وہ عرف عام میں بے وفائی کر جائے' آپ اس سے اچھا ڈھونڈ لیں۔ یہی اصول لڑانے میں ہے۔ اس سے پہلے کہ کوئی آپ کو دوسرے سے لڑا دے' آپ اسے کسی سے لڑا دیں۔ یاد رہے لڑنے میں جلدی اور لڑانے میں دیر نہیں کرنی چاہیے۔ "ف" کہتا ہے۔ "عشق لڑایا نہیں جاتا' بس ہو جاتا ہے" میں اس کی بات سے متفق ہوں کیونکہ ہم جب بھی غلطی کرتے ہیں تو یہی کہتے ہیں "بس جی ہو گئی!" گزشتہ دنوں "ف" مجھے ایک تاریخی عمارت کی سیر کو لے گیا۔ کہنے لگا' وہاں بڑی خوبصورتی ہوتی ہے' یہ بھی بتا دیا کہ پچھلے پہر چلیں گے کہ ساری خوبصورتی اسی وقت آتی ہے۔ بات درست تھی۔ ان خوبصورتیوں نے جوانی کے آگے کپڑوں کے یوں بند باندھ رکھے تھے کہ طغیانی آئی ہوئی تھی۔ انہیں کنٹرول کرنے کے لئے ہر چوک میں لڑکے اشارے کر رہے تھے۔ یہ خوبصورتیاں کمال کی چال چل رہی تھیں۔ یوں لگتا تھا جسم کا ہر حصہ الگ الگ قدم اٹھا رہا ہو۔ تمام حاضرین تاریخ کو تفریح بنا کر دوسروں کو بننے کا موقع دے رہے تھے۔ میں سب کو یہاں چھوڑ کر کئی سو برس پیچھے پلٹ گیا' یکدم مجھے اس عمارت کی جگہ بے بس کے آنسوؤں کی طرح نہ ختم ہونے والی فنکاروں کی قطاریں عمارت کی بنیادوں میں اترتی نظر آئیں۔ یاد رہے یہاں فن کار سے مراد وہ لوگ نہیں جو فن دے کر کار لیتے ہیں۔ برسوں کے انتظار کے بعد جب وہ نہ پلٹے تو میں نے بنیادوں میں جھانکا تو دیکھا وہ سب اینٹیں اور گارا بن کر اس عمارت کی شکل دھار گئے ہیں اور اس پر بنوانے والے کا بڑا سا نام کندہ کر دیا گیا۔ سوچتا ہوں جیسے ان فن کاروں نے مل کر یہ تاریخی عمارت بنائی مگر انہیں کوئی نہیں جانتا۔ ایسے ہی لڑنے والے اینٹیں بن کر عمارت بناتے ہیں جس پر لڑانے والے کا نام کندہ ہوتا ہے کہ لڑنے والا سپاہی ہوتا ہے اور لڑانے والا فاتح جرنیل۔

لڑانے والا وہ ڈاکٹر ہے جو مرض اور مریض کو لڑا دیتا ہے۔ اس لڑائی میں مریض جیت

جائے تو یہ ڈاکٹر کی جیت ہے' اگر مرض جیت جائے تو یہ ہار صرف مریض کی ہوتی ہے۔

لڑانا ایک فن ہے۔ مختلف لوگوں کو مختلف طریقوں سے لڑایا جاتا ہے۔ نئی نسل کو پرانی نسل سے لڑانے کے لئے مغربی تعلیم' لڑکوں کو لڑانے کے لئے مخلوط تعلیم' نمازیوں کو لڑانے کے لئے مولوی' گھر والوں کو لڑانے کے لئے شادی اور سیاست دان کو لڑانے کے لئے کرسی ہوتی ہے۔

ویسے سنا ہے لڑنے سے آپس میں محبت بڑھتی ہے۔ اس لئے گھر میں چھوٹا موٹا لڑائی جھگڑا ہونا چاہیے۔ یقین نہ آئے تو لڑ کر دیکھ لیں!۔

○○○

• چوری کرنا

میرا دوست "ف" کہتا ہے مجھ سے قسم لے لیں جو میں نے کوئی دوسرا چور جیسا شریف شخص اپنی پوری زندگی میں دیکھا ہو۔ وہ ٹھیک کہتا ہے کیونکہ اس نے آج تک دوسرا چور دیکھا ہی نہیں۔ ویسے بھی چور آج کل شرافت کا نمونہ ہیں۔ یعنی جس طرح آج کل شرافت کا ملنا مشکل ہے ایسے ہی چور بھی مشکل ہی سے ملتے ہیں۔ ایک زمانہ تھا' جب چور چاند کے ساتھ نکلتے بلکہ ہر رات کئی نئے چاند چڑھاتے' مگر اب تو وہ خود عید کا چاند ہو گئے ہیں۔

جب میں بچہ تھا' ان دنوں میرا گاؤں نہر کے کنارے یوں پڑا ہوتا جیسا کوئی ہریالے حاشیئے والا بہت بڑا عید کارڈ یہاں رکھ کر بھول گیا ہے۔ جس پر کسی نو آموز نے کچی پنسل سے گھر بنانے کی مشق کی ہو۔ ان دنوں رات آ کر گاؤں کی جان ہی قبض کر لیتی۔ صرف عبادت گزار اور چور ہی اس کے بدن میں دھڑک رہے ہوتے۔ عبادت گزار کے سامنے اس کا مصلیٰ ہوتا اور چور کے سامنے اس کا مسئلہ۔ عبادت گزار اندر کے سفر پر روانہ ہوتا اور چور باہر کے سفر پر نکل پڑتا۔ وہ اپنے جوتے اتار کر بڑا باادب ہو کر مختلف گھروں میں یوں داخل ہوتا جیسے کسی مقدس مقام کی زیارت کو آیا ہو اگر اس کی آہٹ سے خلق خدا کی نیند میں خلل پڑتا تو وہ شرم کے مارے منہ چھپا کر بھاگ اٹھتا' کیونکہ ہر چور جانتا ہے کہ اگر وہ سامنے آ گیا تو چور کے رتبے سے گر کر ڈاکو اور لٹیرا بن جائے گا۔ اسی لئے تو جس گاؤں میں چور کا چکر لگ جائے وہاں کے سیانے اس کے پاؤں کے نشان سنبھال سنبھال کر رکھتے ہیں۔ چور اتنا وضعدار اور رکھ رکھاؤ والا ہوتا ہے کہ کچھ مل جائے تو ٹھیک ورنہ چپ چاپ الٹے پاؤں لوٹ جائے گا۔ ظاہر ہے وہ رشتہ دار تو ہے نہیں کہ کہے اگر تمہارے پاس دینے کو کچھ نہیں تو کسی سے قرض لے دو۔

لیکن اب وہ چوری چھپے کا زمانہ کہاں! اب تو بچہ کسی سے چیز چھین کر لے آئے تو والدین پریشان نہیں ہوتے' لیکن چرا کر لے آئے تو گھبرا جاتے ہیں کہ یہ ترقی نہیں کر سکتا حالانکہ انسانی تہذیب نے ترقی کی طرف پہلا قدم اٹھایا ہی اسی دن تھا جب اس دنیا پر پہلے شخص نے دوسرے کو مار کر اس کی خوراک اور اشیائے ضرورت چھیننے کے بجائے چپکے سے چرا لیں' کیونکہ چوری کرنا امن پسندوں کا کام ہے اور تاریخ گواہ ہے کہ ان کی ہمیشہ عزت ہوئی۔ انگریز برصغیر میں اتنے سال صرف اس لئے حکومت کر گئے کہ وہ حملہ آور بن کر نہیں چوروں کی طرح چپکے چپکے آئے تھے۔

آج بھی کسی علاقہ میں چور آ جائے تو آوازیں آنے لگتی ہیں "باملاحظہ' ہوشیار' آنکھیں کھولیں چور آیا ہے" بچے بوڑھے اور عورتیں اپنی نیندیں چھوڑ کر اس کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے گھروں سے طلوع ہونے لگتے ہیں' مگر کوئی ڈاکو آ جائے تو سب اپنے گھروں کے دروازے اندر سے بند کر لیتے ہیں' کوئی اسے دیکھنا پسند نہیں کرتا۔

سب سے پہلی چوری عورت نے کی۔ جنت میں پھل چرایا۔ ہماری پوری اردو شاعری چوروں کی مدح سرائی ہی تو ہے۔ محبوب پہلے شاعر کا دل چراتا ہے پھر دن کا چین اور رات کی نیند۔ ظاہر ہے اور شاعر کے پاس ہوتا کیا ہے جسے چرایا جا سکے۔ آخر میں محبوب آنکھیں چراتا ہے۔ اردو شاعری محبوب کی ان چوریوں کے خلاف لکھی ہوئی رپٹ ہی تو ہے اسی لئے محبوب نے کبھی ان تحریروں کو پسند نہیں کیا۔ اسے آج بھی وہی تحریریں اچھی لگتی ہیں جو عاشق چیک بک پر لکھتا ہے۔

لڑکے ایک نظر میں لڑکی کا ماضی جان لیتے ہیں اور لڑکی ایک نظر میں لڑکے کا مستقبل پڑھ لیتی ہے۔ پہلے لڑکے لڑکیوں کے دل چرایا کرتے تھے' اب پرس چراتے ہیں' کیونکہ دل تو ہر کوئی چرا سکتا ہے' البتہ پرس چرانے کے لئے پڑھا لکھا اور ایک عدد موٹر سائیکل یا سکوٹر کا مالک ہونا ضروری ہے۔

ڈاکو پکڑے بھی جائیں تو پولیس کے ساتھ تصویریں یوں چھپتی ہیں جیسے وہ ان سے پرائز

وصول کر رہے ہوں۔ چور اس دور میں بھی پبلسٹی کا قائل نہیں۔ وہ چپ چاپ اتنی بلند دیواریں پھلانگ جاتا ہے کہ کوئی اور ہوتا تو اخباروں میں اس کی رنگین تصویریں چھپتیں۔ مگر اسے نام سے نہیں کام سے غرض ہے۔ اسے تو اخبار کے لئے مجبوراً تصویر کھنچوانا پڑتی ہے' وہ بھی اس حال میں کہ منہ کپڑے میں چھپا ہوتا ہے اور دیکھنے والا سمجھتا ہے سپاہی کپڑوں کی گٹھڑی بغل میں لیے کھڑا ہے۔ میرا دوست "ف" کہتا ہے یہ چور کی بزدلی ہے جو وہ اپنے کارنامے دوسروں کو نہیں بتاتا' حالانکہ اسے یہ نہیں پتا کہ یہی تو اس کی بہادری ہے کہ وہ کسی سے داد کی بھیک نہیں مانگتا۔

ہمارے ہاں جو چوری کرتے پکڑا جائے یعنی چوری کرنے میں کامیاب نہ ہوسکے اس کو تھانے لے جایا جاتا ہے' جہاں اسے مار پڑتی ہے۔ مجھے بھی سکول میں فیل ہونے پر مار پڑتی' پھر میرے گھر والے آ کر یقین دلاتے کہ پھر ایسا نہیں ہو گا یعنی آئندہ ناکام نہیں ہو گا تو میری جان بچتی۔ یہی اصول تھانوں کا بھی ہے' کیونکہ یہ بھی تو چوروں کے سکول ہیں۔۔۔ حوالات' ہوسٹل اور جیل چوروں کی یونیورسٹی ہے۔

چور خوش گوار ازدواجی زندگی کا باعث ہے' جس علاقے میں چوری چکاری کا جتنا زیادہ ڈر ہو گا وہاں کے مرد شام کو اتنی ہی جلدی گھر آئیں گے۔ یہی نہیں سخت سردی ہے' آپ کو کوئی گرم شے نہیں مل رہی تو چور کی ایک جھلک ہی آپ کو پسینہ پسینہ کر دے گی۔ سائنس نے بڑی ترقی کی ہے۔ جاگنے والی گولیاں بنائی ہیں' جنہیں کھا کر میں سوتا ہوں' مگر چور وہ دوائی ہے جس کا نام ہی لے لیا جائے تو ساری رات نیند نہیں آتی۔ شاید اسی لئے ہمارے ہاں ہر محلے میں ایسے لوگ بھرے پڑے ہیں تاکہ ہم غفلت کی نیند نہ سوسکیں۔ یہی نہیں اس دور میں ہر شخص بیدار اور ہوشیار رہنا چاہتا ہے' شاید اسی لئے آج کل ہر کسی کے دل میں چور ہے۔

- ## موٹاپا

موٹاپے سے مراد موٹا ہونا نہیں' کیونکہ اس کا تعلق پاؤں کے وزن سے ہوتا تو پھر یہ محاورتاً خالص زنانہ صفت ہوتی' حالانکہ یہ تو وہ صفت ہے جو مرد کو عورت سے علیحدہ نہیں کرتی' پاس پاس کرتی ہے۔ اسی لئے وہ موٹے مرد عورت اتنے ہی فاصلے پر بیٹھے ہوں جتنے فاصلے پر پتلے مرد عورت بیٹھتے ہوں تو موٹے ایک دوسرے کے زیادہ پاس پاس ہوتے ہیں۔ پھر یہی وہ صفت ہے جو انسان کو جانور سے ممتاز کرتی ہے۔ جانور موٹا نہیں ہو سکتا اور جو موٹا ہو سکتا ہے وہ جانور نہیں ہو سکتا' کیونکہ جانور کو خدا نے یہ صلاحیت نہیں دی کہ اس کا پیٹ بھرا ہو تو پھر بھی کھا سکے۔ ہاں یہ ہے کہ عورت ذرا مرد سے جلدی موٹی ہو جاتی ہے' جس کا کریڈٹ بھی مرد کو جاتا ہے' کیونکہ عورت تو مرد سے ہی بنی ہے اور مرد بے چارا مٹی سے۔

موٹاپے میں مرد سیب لگنے لگتا ہے اور عورت ناشپاتی' کیونکہ مرد کی کمر اس قدر مضبوط ہوتی ہے کہ سارے موٹاپے کا وزن کمر پر اٹھائے ہوتا ہے جبکہ عورت کمر سے لٹکائے ہوتی ہے۔

پتلے بہت سخت ہوتے ہیں' جب کہ موٹے افسر اور خاوند ہی نہیں' موٹی بیوی تک بہت نرم ہوتی ہے۔ یقین نہ آئے تو چھو کر دیکھ لیں۔ اچھی کہاوت ہے عورت' تربوز اور پنیر کو وزن سے منتخب کرنا چاہیے۔ وزن تو مصرعوں میں نہ ہو تو وہ شعر نہیں بنتے۔ پتلا اور نحیف تو اردو ادب میں صرف عاشق ہی ملتا ہے۔ اس کی حالت اس قدر پتلی ہوتی ہے کہ اس کی تو بات تک میں وزن نہیں ہوتا۔ پھر عاشق کا یہ کہنا کہ مجھے ہر طرف محبوب ہی محبوب نظر آتا ہے دراصل محبوب کے موٹے ہونے کی تعریف کرنا ہی ہے۔ اسی لئے تو عاشق کہتا ہے محبوب آ جائے تو لگتا ہے کل کائنات آ گئی اور وہ منہ موڑ جائے تو اسے لگتا ہے پوری دنیا منہ موڑ گئی ہے۔ کمزور اور پتلے محبوب

کا عارض بھی عارضہ بلکہ عارضی لگتا ہے۔

کہتے ہیں موٹا تو کسی کے ساتھ بھاگ بھی نہیں سکتا۔ اس لحاظ سے تو شادی ہمیشہ موٹی عورت سے ہی کرنی چاہیے اور تو اور جب تک عورت موٹی نہ ہو ہمارے ہاں تو وہ فلمی ہیروئین نہیں بن سکتی۔ صرف موٹی ہیروئن ہی سر فخر سے بلند کر کے کہہ سکتی ہے کہ میں فلم انڈسٹری کی "بڑی" ہیروئن ہوں' جو عورت پوری زندگی موٹی نہیں ہوئی وہ پوری عورت ہی نہیں ہوئی۔ جب تک وہ موٹی نہ ہو گی اس کے پاؤں تلے جنت نہ آئے گی۔

پتلا اپنے کپڑوں میں چھپ جاتا ہے اور موٹے کے جسم پر کپڑے چھپ جاتے ہیں' کیونکہ موٹاپا تو خود لباس ہے شاید اسی لئے عورتیں سلم ہونے میں لگی رہتی ہیں۔ پتلا ہونے سے تو بے پردگی ہوتی ہے' جسم کا ہر حصہ یوں ظاہر ہو جاتا ہے کہ بچہ تک پسلیوں پر گنتی سیکھ سکتا ہے۔ مہاتما بدھ کہتا ہے دنیا دکھوں کا گھر ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے' مہاتما بدھ کی تصویر دیکھ لو تو لگتا ہے اس کی وجہ اس کا موٹا نہ ہونا تھا۔

خوبصورت وہ نہیں ہوتا جسے آپ توجہ دیتے ہیں بلکہ وہ ہوتا ہے جو آپ کو متوجہ کرتا ہے اور موٹا کسے متوجہ نہیں کرتا؟ اسے تو دور سے دیکھو تو پاس نظر آتا اور پتلا اگر زیادہ سے زیادہ کسی کو متوجہ کر سکتا ہے تو وہ یقیناً ڈاکٹر ہو گا۔

"ف" کہتا ہے "جو موٹا ہوتا ہے اسے فکر رہتی ہے" حالانکہ جسے فکر رہتی ہے وہ موٹا ہو ہی نہیں سکتا۔ پندرہ سولہ سالوں میں جا کر کہیں بندہ جوان ہوتا ہے مگر دنوں میں بوڑھا ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی موٹا ہونے کے لئے کئی سال چاہئیں پتلا تو بندہ دنوں میں ہو جاتا ہے۔ ہر شہر میں موٹاپے کی اہمیت بتانے کے لئے سلمنگ سنٹرز موجود ہیں۔ "ف" کہتا ہے "یہ تو موٹاپا ختم کرنے کے لئے ہیں" بالکل غلط' اگر موٹاپا ختم ہوا تو سب سے پہلے یہ سلمنگ سنٹرز ختم ہوں گے۔

کہتے ہیں جو موٹے ہوتے ہیں وہ زیادہ کھاتے ہیں' حالانکہ جو زیادہ کھاتے ہیں وہ موٹے

ہوتے ہیں۔ موٹاپا مسئلے پیدا نہیں کرتا بلکہ کئی مسائل کا حل ہے۔ بے روزگاری کا مسئلہ موٹاپے نے بڑی حد تک حل کر دیا ہے۔ بازاروں میں بیشتر دکانیں لوگوں کو کھلا کھلا کر موٹا کرنے کے لئے اور باقی سمارٹ بنانے کے لئے ہیں۔ "ف" کہتا ہے "موٹا جلد ڈر جاتا ہے' کل ہی تمہارے سامنے خواجہ صاحب قرض خواہ سے ڈر کر کرسی کے پیچھے چھپ گئے تھے۔" حالانکہ وہ بالکل غلط کہتا ہے خواجہ صاحب کرسی کے پیچھے کہاں چھپے تھے' کرسی ان کے آگے چھپی ہوئی تھی۔

کہتے ہیں موٹا ورزش نہیں کرتا حالانکہ اس کا ہر کام ورزش ہوتا ہے۔ جتنا وزن وہ اٹھتے بیٹھتے اٹھائے ہوتا ہے کوئی اور اٹھا کر تو دکھائے۔ اس کی تو شلوار کا گھیرا اتنا ہوتا ہے کہ پیدل آدمی اس میں آزاربند نہیں ڈال سکتا۔"ف" کی بچپن میں صحت ایسی تھی کہ اس کے ساتھ والے مکان میں ڈاکٹر نے کلینک بنا لیا تھا۔ اب اپنے باپ کی طرح بہت کھاتا ہے۔ کہتا ہے یہ میں موٹا ہونے کے لئے نہیں کرتا' بلکہ اس لئے کھاتا ہوں کہ سر اٹھا کر کہہ سکوں کہ میں بڑے کھاتے پیتے گھرانے کا فرد ہوں۔ سنا ہے موٹا صرف اپنا پیٹ بھرنے میں لگا رہتا ہے'جو غلط ہے۔ وہ اتنا اپنا پیٹ نہیں بھرتا جتنا ڈاکٹر کے بیوی بچوں کا بھرتا ہے۔

موٹاپا کسی قوم کے عروج کو ظاہر کرتا ہے۔ موٹاپا ختم کرنا دراصل اس سے اقتدار اور آرام و آرائش چھین کر اسے مزدوری پر لگانا ہے کیونکہ جہاں آرام ہو گا وہاں موٹاپا ہو گا۔ یوں کسی ملک کے باشندوں کے آرام و آسائش کا اندازہ لگانا ہو تو وہاں کے موٹوں کی تعداد معلوم کریں۔ یہی نہیں جس کا اپنا گھر نہ ہو' وہ کبھی موٹا نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے آپ نے کبھی بنجاروں کے کسی فرد کو موٹا نہ دیکھا ہو گا۔

جو مولوی اور تھانیدار موٹا نہ ہو' سمجھ لیں اسے اپنے پیشے میں دلچسپی نہیں۔ تھانیدار جس سے کھاتے ہیں اس کے کھاتے صاف رکھتے ہیں' جبکہ دو ملاؤں میں مرغی حرام اور دو مرغوں میں مرغی حلال ہو جاتی ہے۔ مرغ اور ملا میں گہرا رشتہ ہے کہ دونوں اذان

دیتے ہیں اور مرغی پسند کرتے ہیں۔
تیس سال کے بعد ہر دوسری عورت موٹی ہو جاتی ہے پہلی عورت تو پہلے ہی موٹی ہوتی ہے۔ پچاس سال کے بعد تمام عورتیں موٹی ہوتی ہیں جس کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ پچاس سال کی ہوتی ہی وہ ہیں جو موٹی ہوتی ہیں۔
سنا ہے موٹے بے حساب کھاتے ہیں' حالانکہ وہی تو کھانے کا حساب رکھتے ہیں' ناپ تول کر نہ کھائیں گے تو کھا کر ناپ تول لیں گے۔ کھانا کھانا تو جادو کا عمل ہے۔ لیکن موٹاپے کا کھانے سے کم ہی تعلق ہے کیونکہ موٹے تو افریقہ کے وہ قبائل بھی نہیں ہوتے جن کے لئے پلے بوائے بھی کھانے کے اشتہاروں کا رسالہ ہے۔
"ف" کہتا ہے "چاند پر جا کر وزن زمین سے کئی گنا کم ہو جاتا ہے۔" شاید اسی لئے ہر محبوبہ کہتی ہے "مجھے چاند پر لے چلو۔" ویسے وزن کم کرنے کے لئے چاند پر جانے کی کیا ضرورت ہے؟ یہ کام تو بہت آسان ہے۔ جب بھی وزن کرنے والی مشین پر چڑھیں' پہلے اس کی سوئی حسب منشا بائیں طرف کر لیں اور اگر اتنی سی محنت بھی نہیں کر سکتے تو پھر سر کو ایک بار دائیں ہلائیں' ایک بار بائیں' دن میں صرف اس وقت جب کھانے کو کہا جائے۔
یہ سچ ہے کہ جو موٹے ہوتے ہیں ان پر بڑھاپے میں کئی بیماریوں کا حملہ ہو سکتا ہے۔ یہ حملہ پتلوں پر بھی ہو سکتا ہے بشرطیکہ وہ بڑھاپے تک پہنچیں۔ موٹوں کو زیادہ کھانے کی وجہ سے بعد میں جن مشکلات کا سامنا ہوتا ہے' کم کھانے کی وجہ سے پتلوں کو پہلے ان مشکلات کا سامنا ہوتا ہے۔
مجھے موٹے لوگ اچھے لگتے ہیں' جن کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ وہ ہوتے ہی اچھے ہیں' بلکہ اچھے خاصے ہوتے ہیں۔ "ف" کہتا ہے "مجھے موٹاپا ایک آنکھ نہیں بھاتا" واقعی ٹھیک ہے جو ایک آنکھ میں بس گیا وہ موٹاپا کیا ہوا؟
ہمارے ہاں عورتیں عرض ہی کرتی رہتی ہیں' اس لئے ان کا طول اتنا نہیں ہوتا جتنا عرض۔
"ف" کہتا ہے "تاریخ میں موٹاپے کا کہیں ذکر نہیں" اسے کون سمجھائے موٹاپے کا

تعلق تاریخ سے نہیں جغرافیے سے ہے۔

کہتے ہیں موٹاپے سے عمر کم ہوتی ہے' حالانکہ موٹاپے سے تو عمر زیادہ ہوتی ہے۔ آپ تیس سال کے موٹے کو دیکھ لیں' چالیس سال کا لگے گا۔ موٹا ہونا پیدائشی صفت ہے۔ آپ کچھ بھی نہ کریں تو بھی موٹے ہو سکتے ہیں بلکہ کچھ نہ کریں تو ہی موٹے ہو سکتے ہیں۔

○○○

• کچھ کھانا کھانے کے بارے میں

شادی وہ معاہدہ ہے جس میں دو مل کر پوری زندگی دن رات محبت دریافت کرنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں اور اسی کوشش میں ان کی جان نکل جاتی ہے' مگر لگتا ہے میرے دوست "ف" کی شادی ہوتے ہی بیوی نے اس کی جان نکال لی۔ اسی لئے آج کل وہ اسے "میری جان" کہہ کر بلاتا ہے۔ کل مجھے ملنے آیا تو بڑا خوش تھا' اس نے خلاف معمول "بھوک لگی ہے" کی بجائے "رومینٹک ہو رہا ہوں" کہہ کر مجھے خوش کر دیا اور پھر بولا "دنیا کی وہ کون سی محبت ہے جس کے سامنے سب محبتیں ہیچ ہیں۔" بیوی نے کہا' اگر سامنے ہو تو بیوی کی محبت۔ فرمایا' میں سب سے سچی محبت کا نہیں پوچھ رہا' وہ محبت جس کے سامنے سب محبتیں ہیچ ہوں' یہاں تک کہ خدا کی محبت بھی۔" میں چپ ہو گیا کیونکہ احمق اور عقل مند میں اس وقت کوئی فرق نہیں ہوتا جب تک وہ چپ ہوں' مگر "ف" چپ نہ رہ سکا اور بولا "دنیا کی سب سے لازوال محبت کھانے کی محبت ہے' اور جلدی کرو میں اس وقت شدید رومینٹک موڈ میں ہوں" اور مجھے کھانے والی نظروں سے دیکھنے لگا۔

سچ ہے کہ دنیا میں انسان جس چیز کے بارے میں سب سے زیادہ باقاعدہ سوچتا ہے وہ کھانا ہی تو ہے۔ یہ دنیا کا واحد کام ہے جو انسان ساری زندگی کرتا رہتا ہے مگر پھر بھی نہیں اکتاتا۔ اگر وہ اس کام سے اکتا جائے تو یقین کر لیں وہ بیمار ہے یا عاشق' یعنی اس کی طبیعت خراب ہے یا نیت۔

کھانے کی وجہ سے تو خدا نے حضرت آدم علیہ السلام کو جنت سے نکال کر زمین میں بھیجا اور کھانے ہی نے یہ زمین جنت بنا رکھی ہے۔ اگر انسان نہ کھاتا تو وہ انسان ہی نہ ہوتا' فرشتہ ہوتا۔ خدا نے تو انسان کو بنایا ہی کھانے کے لئے ہے' اسی لئے تو اس کے بازوؤں پر کھانے کے کانٹے (Forks) لگا دیئے ہیں۔ دنیا میں کھانا جمع کرنے کا سب

سے بڑا برتن پیٹ ہی تو ہے۔ کھانا اتنا اہم ہے کہ اللہ نے جنت میں بھی جن چیزوں کو دینے کی پبلسٹی کی ہے' ان کے ذکر سے ہی ہر قسم کی بھوک مچل اٹھتی ہے۔

پودے وہ جاندار ہیں جو پاؤں سے کھاتے ہیں اور جہاں سے کھائیں ساری عمر دھوپ میں وہاں سایہ کرتے ہیں' جب کہ انسان جس سے کھالے اس کا فوراً احسان اتارنا چاہتا ہے۔ اسی لئے دوسرے کو فوراً اس قابل بنانے کی کوشش کرتا ہے کہ اس کا احسان اتار سکے۔

منہ بچے کی پہلی جیب ہوتا ہے' یہی نہیں وہ ہر چیز منہ میں ڈال کر اس کے ذائقے سے دوست دشمن کا پتا چلاتا ہے۔ امریکی اتنے بچے ہیں کہ وہ بھی ہر جگہ دوست دشمن کا ایسے ہی پتا چلا رہے ہوتے ہیں۔

جانور اور انسان میں یہ فرق ہے کہ انسان پکا کر کھاتا ہے' جس دن انسان نے معدے کا کام ہانڈی اور پریشر ککروں سے لینا شروع کیا' وہ جانور سے انسان بنا۔

کھانا ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو کمزور ہو۔ کمزوری کا دوسرا نام کھانا ہے۔ کھانا سب کی کمزوری ہے اور کمزور سب کا کھانا۔ خالی پیٹ ہو تو بھرے پیٹ والے یاد آتے ہیں' پیٹ بھرا ہو تو خالی پیٹ والے کبھی یاد نہیں آتے۔ جس کا کھانا دوسرے کھا جائیں اسے بھوکا نہیں کہتے بلکہ جو دوسرے کا کھانا کھائے اسے بھوکا کہتے ہیں۔ خالی پیٹ سوچتا اور بھرا پیٹ سوتا ہے۔

کہتے ہیں موسیقی روح کی غذا ہے اور اس غذا کے ذائقے کا اندازہ لگانے والے کے لحہ لحہ بگڑتے منہ سے لگایا جا سکتا ہے۔

مزیدار کھانا وہ ہوتا ہے جو مزید نہ ہو۔ کھانا پکانے کے لئے عقل کے بجائے پریشر ککر استعمال ہوتا ہے' البتہ کھانے کے لئے عقل چاہیے۔ اسی لئے برا کھانا پکایا تو جا سکتا ہے' کھایا نہیں جا سکتا۔ سنا ہے اچھا کھانا برے خیالات پیدا کرتا ہے۔ اسی لئے ہندو پروہت نوجوان بیواؤں کو وہ کھانا نہیں دیتے جو خود کھاتے ہیں۔

میرا دوست "ف" کہتا ہے جب "دل" میں ایک لکیر کھینچ جائے تو "دال بنتی" ہے" اور وہ گھر میں دال یوں کھاتا ہے جیسے دعوت ولیمہ میں مرغ یعنی تھوڑی سی کھائی باقی

کھائی میں پھینک دی۔ کہتا ہے کسی قوم یا فیملی کے کھانے کے آداب سے ان کے رہن سہن کا پتا چلتا ہے' اسی لئے کسی قوم یا فیملی کے بارے میں غلط رائے دینے سے پہلے ان کے ہاں کھانا ضرور کھا لیتا ہے لیکن کہتا ہے "میں نے کبھی کسی کے گھر سے نمک نہیں کھایا" اسی لئے دوسرے اسے نمک خوار کے بجائے صرف "خوار" ہی سمجھتے ہیں۔

انسانوں میں جسے دوسرے کھلائیں' وہ بڑا آدمی کہلاتا ہے اور جانوروں میں جسے جب تک دوسرے کھلائیں بچہ کہلاتا ہے۔ انسان دنیا آنکھوں سے نہیں معدے سے دیکھتا ہے۔ معدہ خالی ہو تو دنیا میں کہیں کچھ نظر نہیں آتا۔ جب عمر غم کھا کھا کے تھک جائے تو پھر غم عمر کو کھانے لگتا ہے۔ یوں بھی ہفتوں اور مہینوں کے لقمے بنا بنا کر موت زندگی کو کھاتی رہتی ہے۔

ہماری شاعری دراصل شاعر کا مینو ہی تو ہے' جس میں محبوب اور رقیب کی بجائے محبوب کا جغرافیہ ہی ہوتی ہے۔ اس میں اگر تاریخ ہو بھی تو اسے انگریزی میں زیادہ سے زیادہ "ڈیٹ" ہی کہہ سکتے ہیں۔

کہتے ہیں جو چربی آپ کھاتے ہیں دراصل وہ چربی آپ پہنتے ہیں۔ یوں کھانا جسم کا لباس بنتا ہے۔ شاید اسی لئے عورتیں ڈائنگ پسند کرتی ہیں۔

بوفے میرا پسندیدہ کھیل ہے۔ میرا دوست "ف" کہتا ہے "بوفے کھیل نہیں' یہ تو کھانا کھانا ہے' حالانکہ اسے کون بتائے' یہ کھانا کھانے کا نہیں اکٹھا کرنے کا نام ہے۔

کھانا کھانا بھی ایک ورزش ہے' یقین نہ آئے تو "ف" کو کھانا کھاتے دیکھ لیں۔ بیاہ شادیوں پر تو کھانا کھانے کے ٹورنامنٹ بھی ہوتے ہیں۔ کہتے ہیں مولوی اور پروہت کھانا یوں کھاتے ہیں جیسے پہلی بار کھا رہے ہوں' بلکہ وہ تو صرف اس چیز کو حرام کہتے ہیں جسے کھا نہ سکیں۔

اکیلے کھانا کھانا دراصل خود کلامی کرنا ہے۔ چھری کانٹوں سے کھانا ایسے ہی ہے۔ جیسے

بندے نے گفتگو کے لئے ترجمان رکھا ہو۔ کسی کے ساتھ کھانا دراصل اس سے محبت کرتا ہے' اسی لئے بندہ ہر کسی کے ساتھ ہم کلام تو ہو سکتا ہے ہم طعام کسی کسی کے ساتھ ہوتا ہے۔ سر بڑھ جائیں تو دماغ کم ہو جاتے ہیں' محبوب بڑھ جائیں تو محبت کم ہو جاتی ہے۔ رفتار بڑھ جائے تو عمر کم ہو جاتی ہے اور کھانے بڑھ جائیں تو بھوک کم ہو جاتی ہے۔ غریب کے لئے دوا بھی غذا ہے اور امیر کے لئے غذا بھی دوا ہے۔ دنیا میں بدقسمت شخص وہ ہوتا ہے جس کے پاس بھوک میں کھانا نہ ہو' اور اس سے بڑا بدقسمت وہ ہوتا ہے جس کے پاس کھانا ہو اور بھوک نہ ہو۔



- کمر

نیکی کرنے اور زنانہ لباس پہننے میں خاص بات یہی ہے کہ دوسروں کو ان کا پتہ نہیں چلنا چاہیے۔ شاید اسی لئے مغرب میں ہر چیز دلفریب پیکنگ میں نظر آتی ہے۔ زمین تک نے وہاں سڑک اور فرش اوڑھ رکھے ہیں۔ بلکہ انہوں نے تو مذہب پر بھی پردہ ڈال رکھا ہے۔ اب وہاں سوائے عورت کے کوئی چیز ننگی نہیں رہی۔ مگر میرا دوست "ف" کہتا ہے "یہ جھوٹ ہے' میں نے وہاں خود کئی عورتوں کو میک اپ پہنے دیکھا ہے' تمہیں وہ اس لئے ننگی نظر آتی ہیں کہ تمہاری آنکھیں ننگی ہیں۔" وہ کچھ بھی کہے' میرے خیال میں جھوٹ اور عورت پردے میں ہی بھلے لگتے ہیں۔ ہاں کمر ان کے جسم کا وہ حصہ ضرور ہے جو کپڑوں میں منہ چھپائے بیٹھی ہو یا تنگ دھڑنگ سن باتھ لے رہی ہو' بھلی لگتی ہے۔ بلکہ ہمارے ہاں کی عورتیں بھی آنکھیں اور کمر ننگی رکھنے میں عار محسوس نہیں کرتی۔ ہندوستانیوں کے مقبول لباس ساڑھی کا تو اصول ہی یہی ہے کہ گزوں کپڑوں کو بدن پر یوں لپیٹو کہ کمر پھر بھی ننگی رہے۔

کمر جسم کی خوبصورتی کا راز ہے۔ یہ جتنی مختصر ہو اتنا ہی اس کا ذکر تفصیل سے ہو گا۔ کمر وہ شے ہے جتنی باریک ہو اتنی ہی دور سے نظر آتی ہے' لیکن یہ حقیقت ہے کہ ہمیں اپنی خامیاں اور کمر کبھی نظر نہیں آتی۔

عوورتیں جس ناز سے کمر کا غلط استعمال کرتی ہیں اتنے اعتماد سے ہم اس کا صحیح استعمال بھی نہیں کر سکتے۔ پتلی کمر عورت کی خوبصورتی میں ریڑھ کی ہڈی ہے' لیکن عورتیں نو ماہی لوڈشیڈنگ کے باوجود اتنی تیزی سے موٹی ہوتی ہیں کہ ان حالات میں کمر کی تلاش میں نکلو تو کمرہ ملتا ہے کمر نہ ہوتی تو ہم پتلون' شلوار اور دھوتی کہاں لٹکاتے؟ کیونکہ کپڑے پہننے میں سوائے عربوں کے سب کمر کے محتاج ہیں۔

انسان وہ الہامی کتاب ہے جو چار ابواب بچپن' لڑکپن اور جوانی اور بڑھاپے پر مشتمل ہے۔ "ف" کہتا ہے یہ صرف مردانہ کتاب کی بات ہے' عورت کی زندگی کے باب تو بچپن' نوجوانی' جوانی اور جوانی ہیں کیونکہ میں نے کسی عورت کو بوڑھی نہیں دیکھا۔ وہ بھی ٹھیک کہتا ہے اس نے کبھی کسی بوڑھی عورت کو دیکھا ہی نہیں۔ انسانی تہذیب کی کہانی بھی ایسی ہی ہے۔ جب انسان بچہ تھا' وہ چار پایوں کی طرح چلتا' اس خوف زدہ بچے نے ہاتھوں اور پاؤں سے زمین کو تھام رکھا تھا۔ لڑکپن میں اس نے دوسروں پر ہاتھ اٹھانے کے لئے زمین سے ہاتھ اٹھانے شروع کر دیئے۔ جب وہ ذرا مہذب ہوا یعنی دوسروں پر ہاتھ کی بجائے انگلی اٹھانے لگا تو اس کا پورا وجود ایک قد آدم انگلی بن گیا' یعنی وہ کمر اکڑا کر چلنے لگا۔ اب شاید بوڑھا ہو گیا ہے جو اس نے تیل بجلی اور گیس کی لاٹھی تھام رکھی ہے اور پھر تین ٹانگوں پر آ گیا ہے۔ لیکن انسان ارتقاء کے اتنے ادوار سے گزرنے کے باوجود چارپایوں والا زمانہ نہیں بھولا' شاید اسی لئے اس نے ہر گھر میں چارپائیاں ڈال رکھی ہیں۔ چار ٹانگوں پر چلنے کا شوق آج بھی اسے بسوں اور کاروں میں لئے پھر رہا ہے لیکن آج کے انسان کی کمر کی قدر پہلے انسان سے کہیں زیادہ ہے'اسی لئے تو وہ کام کم کرتا ہے اور کمر سیدھی کرنے میں زیادہ رہا ہے۔

درخت وہ جاندار ہیں جو شرم کے مارے اپنا زیریں حصہ ہمیشہ زمین میں چھپائے رہتے ہیں۔ اگر کوئی انہیں الف ننگا کر دے تو شرم کے مارے مر جاتے ہیں۔ تنا ان کی کمر ہے لیکن جسم انسان کا ہو یا کسی پودے کا' وہی سر اٹھا کر جی سکتا ہے جو کمر رکھتا ہو' ورنہ گاجروں' مولیوں کی طرح اپنے جسم کو بھی اٹھانے سے قاصر رہتا ہے۔ ہمیں تو اس وقت تک اپنے شادی شدہ ہونے کا یقین نہیں آتا جب تک ہمارے جملہ حقوق بدست بیوی غیر محفوظ نہ ہو جائیں۔ کسی حادثے کے بغیر کمر کی موجودگی کا احساس کیسے ہو سکتا ہے؟ اور حادثے جو کمر سے ملاقات کا موقع فراہم کرتا ہے' کمر درد کہلاتا ہے۔ کمر چاہے اتنی موٹی ہو کہ کئی بار دیکھو تو ایک بار نظر آئے یا اتنی پتلی کہ ایک بار

دیکھو تو کئی بار نظر آئے۔ اس میں ایک قدر مشترک ضرور ہو گی' وہ ہے کمر درد۔ کیونکہ یہ صرف اسے نہیں ہوتا جس کی کمر نہ ہو! کمر درد اسقاط نقل و حمل کا باعث ہے۔ ہر بیماری کو گل کھلانے کے لئے خاص ماحول چاہیے۔ جیسے ہمارے ماحول میں فلو اور صحافی اکثر بگڑ جاتے ہیں' لیکن کمر درد کسی ماحول کا محتاج نہیں۔ کمر درد کے لئے بس ایک چیز کی ضرورت ہے اور وہ ہے کمر!

کہتے ہیں بندہ ننگا بھی ہو جائے پر کمر ننگی نہ ہو تو "ستے خیراں" کیونکہ کمر ننگی ہو جائے تو مرزا صاحباں کے بھائیوں سے نہیں بچ سکتا۔ جب یار شرما کر منہ کی بجائے کمر کر لے تو یکدم اس کے منہ کی قیمت منہ مانگی ہو جاتی ہے۔ مگر جب وہ کمر دکھا جائے تو پھر ساری عمر اس کا منہ دیکھنے کو دل نہیں چاہتا۔ مکان وہ جسم ہیں جن کی جان ان کے مکینوں میں ہے۔ جب یہ مکان کمرے سے کمر ملا لیں تو شہر بنتے ہیں اور جب کسی قوم کے افراد یوں مل جائیں تو پھر مینار پاکستان وجود میں آتا ہے۔

میرا ایک دوست کہتا ہے جانوروں کے ہاں کرسیاں اس لئے نہیں کہ وہ بیٹھیں کیسے' کمر تو وہ رکھتے نہیں! لیکن "ف" کہتا ہے "کرسی پر بیٹھنے کے لئے کمر سے زیادہ عقل کی ضرورت ہے" لیکن درست نہیں۔ میں نے ہمیشہ ان لوگوں کو بڑی بڑی کرسیوں پر دیکھا ہے جو بے شک عقل نہ رکھتے ہوں مگر ان کی کمر مضبوط ہو۔

آدمی اس وقت تک جوان رہتا ہے جب تک کسی کو کمر نہیں دکھاتا۔ بڑھاپے میں جب اس کا وجود گٹھڑی بن جاتا ہے تو یہ کمر چھتری بن کر اسے اپنے نیچے چھپا لیتی ہے۔ بڑھاپا انسان کی کمر جھکا کر اسے سوالیہ نشان بنا دیتا ہے' یہ بڑھاپا جب قوموں پر آتا ہے تو وہ بھی کمریں جھکا دیتی ہیں۔

رقاصہ کمر لچکا کر لوگوں کے دل فتح کرتی ہے' اور فاتح جھکی کمریں دیکھ کر اپنی فتح کی تصدیق کرتے ہیں۔ کوئی بھی نقصان ہو' بچاری کمر ہی ٹوٹتی ہے۔ کسی کو حوصلہ دینا ہو یا تسلی' اس کی کمر ہی بندھاتے ہیں کیونکہ بندھے پاؤں بھی کمر باندھ لیں تو منزل

کی ہر راہ ان کی طرف چلنے لگتی ہے۔ مختصر یہ کہ کمر جسم کی سرتاج ہے۔ اسی لئے تو خدا کے آگے جھکانے کا حکم ہے۔

○○○

- ادبی معمہ

نام انور سجاد' کبھی کبھی خود کو سید انور سجاد لکھتا ہے جس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ کبھی کبھی سید بھی ہوتا ہے جیسے اصغر سید اپنے نام کے ساتھ سید بعد میں اس لئے نہیں لگا تا کہ وہ سید بعد میں بنا۔ انور سجاد نے جو کچھ کیا' اپنی صلاحیتوں کے اظہار کے لئے نہیں' انہیں چھپانے کے لئے کیا۔ اور اس میں اس قدر صلاحیتیں ہیں کہ ان کو چھپانے کے لئے اسے افسانہ نگاری' مصوری نگاری' اداکاری' ہدایت کاری اور ڈاکٹری کرنا پڑی' البتہ یہ پتہ نہیں' ڈانسر کس صلاحیت کو چھپانے کے لئے بننا پڑا!!

تعلق ایسے گھرانے سے جس میں اگر کوئی شخص شعر سنانے لگتا تو اسے فوراً ڈاکٹر کے پاس لے جایا جاتا۔ یوں یہ لڑکپن میں شعر سناتے ہوئے بہت شرمندگی محسوس کرتا جس کی ایک وجہ تو یہ ہوتی کہ یہ شعر اس کے اپنے ہوتے۔

عمر کے اس مقام پر ہے جہاں آرٹسٹ کا چہرہ ایسا ہو جاتا ہے کہ دیکھ کر لگتا ہے جیسے اس نے خود بنایا ہے۔ قد ایسا کہ جب تک کھڑا نہ ہو ٹانگیں زمین تک نہیں پہنچتیں۔ پاس ہو تو سب سے آخر میں اور دور ہو تو سب سے پہلے نظر آتا ہے۔ نظر کی عینک لگاتا ہے تاکہ لوگوں کو دور سے پہچان سکے' جس کا فائدہ یہ ہوا ہے کہ اب لوگ اسے دور سے پہچان لیتے ہیں۔ دوران گفتگو آدھا فقرہ منہ سے اور آدھا ہاتھوں سے ادا کرتا ہے۔ چال دیکھ کر لگتا ہے کوئی چال چل رہا ہے۔ چپ ہو تو مجسمہ لگتا ہے' بول رہا ہو تو سننے والا مجسمہ لگنے لگتا ہے۔ وہ سنتا سب کی ہے مگر سمجھتا اپنی ہی ہے۔ کہتے ہیں دنیا میں تبدیلی سے زیادہ مستقل چیز کوئی نہیں اور تبدیلی اس قدر پسند رہی کہ جب کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج میں پڑھتا تھا ہر سال اپنے تمام کلاس فیلوز بدل لیتا تھا۔ آخر کار ڈاکٹر بننے کے بعد اس نے تہیہ کیا کہ آئندہ کبھی ڈاکٹر نہیں بنوں گا۔ کالج ہمیشہ

اس نیت سے گیا جس سے مولوی حضرات جنت جانا چاہتے ہیں۔ وراثت میں والد صاحب کی طرف سے جس جائیداد کا انتقال اس کے نام ہوا' وہ ہزاروں مریض تھے۔ اسے اپنے آپ سے اس قدر محبت ہے کہ کوئی دوسرا اس سے محبت کرے تو اسے اپنا رقیب سمجھنے لگتا ہے۔ دوست اسے سنجیدگی سے نہیں لیتے۔ ویسے بھی ڈاکٹر کو جو سنجیدگی سے سن رہا ہو وہ مریض ہی ہو سکتا ہے۔ مختصر چیزیں اچھی لگتی ہیں۔ اسے دیکھ لو تو وجہ بھی سمجھ آ جاتی ہے۔

آج کل افسانوں میں جو علامتیں استعمال ہوتی ہیں' یہ وہ علامتیں ہیں جنہیں بتا کر بندہ ڈاکٹر سے دوائی لے سکتا ہے۔ طویل مختصر افسانہ وہ ہوتا ہے جو لکھنے میں مختصر اور پڑھنے میں طویل ہو۔ جب کہ علامتی افسانہ وہ ہوتا ہے جس کا مطلب قاری افسانہ نگار کو بتاتا ہے۔ ڈاکٹر انور سجاد افسانہ لکھنے کے بعد اسے پڑھتا ہے' اگر سمجھ میں آ جائے تو رکھ لیتا ہے ورنہ چھپوا دیتا ہے۔ دوسروں کے افسانے بندہ سارا دن پڑھتا ہے اور اس کا افسانہ سارے دن میں 'پڑھتا' ہے۔ ایک پوری نسل نے انور سجاد کے سٹائل پر افسانہ لکھنے کی کوشش کی' جس کی وجہ یہ نسل یہ بتاتی ہے کہ علامتی افسانہ پڑھنے کی نسبت لکھنا آسان ہوتا ہے۔ اگر آپ افسانہ پڑھ کر کنفیوژ نہ ہوں تو اس کی ایک ہی وجہ ہے وہ یہ کہ آپ نے توجہ سے پڑھا نہیں۔ ویسے ایسا علامتی افسانہ بھی لکھا جا سکتا ہے جسے پڑھ کر قاری عش عش کر اٹھے اور اس کے لئے صرف ایک بات ضروری ہے وہ یہ کہ قاری لکھنے والا خود ہو۔

کہتے ہیں جو عورت آپ کو اچھی لگے وہ خوبصورت اور جسے آپ اچھے لگیں خوب سیرت ہوتی ہے۔ وہ عورت جو اپنے حسن سے لوگوں کو متاثر کرے اسے حسینہ اور جو مردوں کے حسن سے آپ کو متاثر کرے اسے حسینہ معین کہتے ہیں۔ انور سجاد بھی اپنے جس ڈرامے میں خوبصورت چہرہ دیکھنا چاہیے اس میں خود اداکاری کر لیتا ہے۔ وہ ڈرامے میں جو رول کرے وہ ہٹ ہو جاتا ہے اگر رول نہ کرے تو ڈرامہ ہٹ ہو جاتا ہے۔ وہ ڈاکٹر ہے اور پھر یہ اسپشلائزیشن کا دور ہے۔ اس لئے اسے کسی عورت کی بائیں

آنکھ سے عشق ہوتا ہے تو کسی کے دائیں کان سے۔ آج تک وہ کسی عورت کو مکمل طور پر ناپسند نہیں کر سکا۔ اگر کسی لڑکی سے ناراض ہو جائے تو اس کا نیچے کا ہونٹ اور نیچے آ کر پھڑکنے لگتا ہے اور اس وقت تک پھڑکتا رہتا ہے جب تک لڑکی کو ناراض نہ کر لے۔

غصے میں نہیں لکھ سکتا' اس لئے پینٹنگ کرنے لگتا ہے اور اچھا فن پارہ وہی ہوتا ہے جسے دیکھ کر بندے کے وہی احساسات ہوں جو بناتے وقت فن کار کے تھے۔ تنہائی میں کام کرتا ہے اور وہ "روم" جہاں دنیا کے ہر بندے کو تنہائی میسر ہوتی ہے' یہی اس کا سٹوڈیو ہے۔ اس کی بدقسمتی یہ ہے کہ وہ ہر کسی کی سمجھ میں نہیں آتا' اور اس کی خوش قسمتی بھی یہی ہے۔ وہ تو کار چلا رہا ہو تو صرف اسے پتہ ہوتا ہے ' کار چلا رہا ہے دوسرے سمجھتے ہیں ہوائی جہاز چلا رہا ہے۔

آسان بات بڑی آسانی سے مشکل بنا دیتا ہے۔ وقت کا اس قدر پابند ہے کہ اگر کہیں پہنچنے میں اسے دیر ہونے کا اندیشہ ہو تو یہ بتانے وقت پر پہنچ جائے گا کہ میں شاید وقت پر نہ پہنچ سکوں۔

شہرت کے لئے کسی نام کا سہارا نہیں لیا' بلکہ کئی انگریزوں کی تحریروں کو اپنے نام کا سہارا دیا۔ پھر بھی اردو کے ان ادیبوں میں سے نہیں جن کی کتابیں ہاٹ کیک کی طرح بکتی ہیں یعنی اسی نوے روپے کلو!

انور سجاد کا کوئی دوست نہیں۔ اگر وہ کہے میں کسی کو سر آنکھوں پر بٹھاتا ہوں تو یقین کر لیں اس کا اشارہ عینک کی طرف ہے ان لوگوں کے پاس بھی بیٹھتا ہے جن کے پاس سے لوگ صرف اٹھتے ہیں۔

ہر وقت کچھ نہ کچھ کرتا ہی رہتا ہے۔ اسے کوئی سزا دی جا سکتی ہے تو وہ ہے "آرام کرو" کئی اداکاروں اور فن کاروں کے حالات سنوارنے کے لئے کام کرتا رہا۔ ایک اداکارہ کے حالات سنوارنے میں کامیاب بھی ہوا۔ انور سجاد کا کام اتنا ہے کہ ایک بار ہمسائے ملک کے دورے پر جانے سے پہلے اس نے انہیں اپنی تخلیقی کاوشوں کی فہرست بھیجی

تو انہوں نے اپنے سفارت خانے کو لکھا کہ پتا کرو کتنے آدمی ہیں؟"

انور سجاد وہ نہیں کرتا جو سب کرتے ہیں۔ وہ تو اس راستے سے گھر میں داخل نہیں ہوتا جس سے دوسرے داخل ہوتے ہیں اور جب کبھی دن کو گھر آ جائے تو ملازم جا کر بتاتے ہیں کہ رات والے صاحب آئے ہیں۔ انور سجاد ان لوگوں میں سے ہے جو جنت میں جانے کی کوشش کرنے کی بجائے دوزخ کو ائرکنڈیشن کرنے کا سوچتے ہیں۔

میں تو یہاں تک کہہ سکتا ہوں کہ اگر پاکستان میں مرد بچے پیدا کرنے لگے تو یہ تخلیقی کام کرنے والا سب سے پہلا مرد انور سجاد ہو گا۔

○○○

- ہوسٹل میں رہنا

میں آپ لوگوں کے لئے کچھ کرنا چاہتا ہوں۔ اس مقصد کے حصول کے لئے میں جب بھی ملک کی بھاگ دوڑ سنبھالنے لگتا‘ اسی وقت یا تو مجھے نیند آ جاتی یا کوئی ملنے آ جاتا۔ سو میں آپ لوگوں کے لئے کچھ نہ کر سکا۔ کل تو مجھے ملک ڈولتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ وہ تو میں نے چکروں کی دوائی لے لی‘ سو ملک کے حالات تو بہتر ہو گئے لیکن اب میں نے ملک کی بھاگ دوڑ سنبھالنے کا پروگرام ملتوی کر دیا ہے۔ اب میرا ارادہ آپ سب لولوں کے لئے جنت بنانے کا ہے۔ جنت کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہاں سب جوان ہوں گے۔ گویا جنت اور دنیا میں بنیادی فرق یہی ہے کہ وہاں نصیحت کرنے کے لئے بوڑھے نہ ہوں گے اگر جنت میں سب بوڑھے ہوں گے‘ پھر بھی جنت جنت ہی رہے گی۔ کیونکہ جہاں سب بوڑھے ہوں وہاں کوئی بوڑھا نہیں ہوتا۔ دنیا میں جو شخص پہلی مرتبہ جنت بنانے میں کامیاب ہوا‘ اس نے ہوسٹل بنایا اور مجھے یقین ہے کہ خدا اسے قیامت کے دن جنت میں نہیں بھیجے گا‘ دوبارہ ہوسٹل میں بھیج دے گا۔ اب تو آپ کو پتا چل گیا ہو گا کہ میں آپ کے لئے ہوسٹل بنانا چاہتا ہوں کیونکہ یہ وہ جنت ہے جہاں سے غلطی کرنے پر نکالا نہیں جاتا بلکہ جس نے ہوسٹل میں رہ کر غلطی نہ کی اس نے آدھی زندگی ضائع کر دی‘ اور جس نے ہوسٹل میں نہ رہنے کی غلطی کی اس نے پوری زندگی ضائع کر دی۔

گھروں میں صرف دو قسم کے لوگ ہوتے ہیں بچے یا بوڑھے‘ بچے وہ جنہیں قدم قدم پر ٹوکا جاتا ہے اور بوڑھے وہ جو ہر قدم پر ٹوکتے ہیں۔ جوان تو بس ہوسٹلوں میں ہوتے ہیں کہتے ہیں جو جا کر نہ آئے وہ جوانی اور جو آ کر نہ جائے وہ بڑھاپا۔ مگر میں آپ کو چوبیس گھنٹوں کے اندر دوبارہ جوان بنا سکتا ہوں۔ میں کوئی حکیم یا سنیاسی باوا نہیں‘ آپ کو میرے پاس آنے کی بھی ضرورت نہیں۔ اگرچہ وارڈن کا وجود ہوسٹل میں ایسے

ہی ہے جیسے نیک دل میں برا خیال۔ پھر بھی آپ فوراً کسی وارڈن سے ہوسٹل میں کمرے کے لئے ملیں۔

مجھے کوئی پوچھے کہ میں لاہور میں رہتا ہوں؟ تو میں کہتا ہوں "نہیں' میں لاہور میں نہیں ہوسٹل میں رہتا ہوں" کیونکہ ہوسٹل تو الگ ملک ہے جس کا قانون' اصول بلکہ موسم تک اپنا ذاتی ہوتا ہے۔ پندرہ سے پچیس سال کی عمر میں ہوسٹل میں بڑی گرمی ہوتی ہے اور مکین زیادہ تر غسل خانوں میں رہتے ہیں جب کہ چالیس سال کی عمر تک موسم معتدل اور ساٹھ سال کے بعد بہت ٹھنڈا ہوتا ہے۔ یہ دنیا کا وہ نایاب خطہ ہے جہاں کے ہر باسی کا ذاتی قانون ہوتا ہے' کسی کمرے میں اسلامی نظام نافذ ہوتا ہے تو کسی میں مارشل لاء کا دور دورہ ہوتا ہے۔

ہوسٹل میں رہنا دراصل خوابوں میں رہنا ہے۔ شاید اسی لئے طلبہ یہاں سوتے ہی رہتے ہیں' صرف اس وقت اٹھتے ہیں جب دوبارہ سونا ہو۔ یہاں تو بندہ خواب میں بھی یہی دیکھتا ہے کہ وہ سویا ہوا ہے گھروں میں بندہ تھکتا ہے تو سو جاتا ہے' یہاں جب سو سو کر تھک جاتا ہے تو گھنٹے دو گھنٹے کے لئے اٹھ بیٹھتا ہے' البتہ میں ذرا کم سوتا' رات نو بجے کہیں جا کر نیند آتی اور رات آٹھ بجے اٹھ بھی پڑتا۔

اگر کوئی ہوسٹل میں صبح صبح اٹھ کر کہے کہ میں لیکچر سننے جا رہا ہوں تو یقین کر لیں وہ شادی شدہ ہے اور رات یہاں گزار کر گھر جا رہا ہے۔ جب تک میں ہوسٹل میں رہا' میرا ریکارڈ ہے میں کبھی پہلی کلاس میں دیر سے نہ پہنچا جس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ مجھے دیر سے پہنچنا بہت برا لگتا ہے اور دوسری وجہ یہ تھی کہ کبھی پہلی کلاس میں پہنچا ہی نہیں' البتہ دوسری کلاس میں سب سے پہلے پہنچتا' تاکہ آخری بنچ پر جگہ مل سکے۔

دنیا کی وہ جگہ جہاں سے ہر لڑکی پیاری لگتی ہے' بوائز ہوسٹل کہلاتی ہے۔ بوائز ہوسٹل اور گرلز ہوسٹل میں یہ فرق ہے کہ اگر ہوسٹل کے سامنے بوائز ہوں تو یہ گرلز ہوسٹل ہو گا۔ ہوسٹل میں وہ طلبہ رہتے ہیں جن کا گھر دور ہوتا ہے' نہ بھی ہو تو ہوسٹل

میں رہنے سے دور ہو جاتا ہے۔ ہوسٹل کی دیواروں کے کان ہی نہیں زبان بھی ہوتی ہے جو آپ کے کمرے کی آواز بلند کر کے دوسرے کمرے تک پہنچاتی ہے۔ یہاں کے غسل خانے سارا سارا دن غسل کرتے رہتے ہیں۔ بقول "ف" ہوسٹل کا پانی بھی زیادہ گیلا ہوتا ہے۔ کہتے ہیں گھر کی مرغی دال برابر' ہوسٹل کی دال مرغی برابر یقین نہ آئے تو میس بل دیکھ لیں۔

بوائز ہوسٹل کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ یہاں لڑکی نہیں آ سکتی۔ جہاں لڑکی آ جائے وہ گھر بن جاتا ہے۔ یعنی آپس میں لڑائیاں ہونے لگتی ہیں۔ دنیا کے تمام بڑے آدمیوں کا کام لوگوں کو خواب غفلت سے بیدار کرنا ہے۔ ہوسٹل میں رہنے والے لوگوں کا بھی یہی کام ہوتا ہے۔ وہ بھی کسی کو سونے نہیں دیتے۔ یہاں اس بازار کی طرح راتیں جاگتی اور دن سوتے ہیں۔

ہوسٹل میں وہ جگہ جہاں جا کر سب اجتماعی طور پر اپنے گھروں کو شدت سے یاد کرتے ہیں' میس کہلاتی ہے۔ ہوسٹل میں سب چیزیں آپ کی نہ ہوتے ہوئے بھی آپ کی ہوتی ہیں۔ جب کہ گھروں میں سب چیزیں آپ کی ہوتے ہوئے بھی آپ کی نہیں ہوتیں۔

آج کل مسجدیں بوڑھوں کے ہوسٹل بنتی جا رہی ہیں۔ یوں بھی آپ کو ہوسٹل بنانے کے لئے سیمنٹ' بجری اور اینٹوں کی ضرورت نہیں۔ آپ کسی مقام پر خواہ وہ کہیں بھی ہو پریشانیوں کا داخلہ ممنوع کر دیں' وہ ہوسٹل بن جائے گا۔

○○○

• موٹر سائیکل کے پیچھے بیٹھنا

بس میں بے بس مسافروں کو دیکھ کر یہی خواہش ہوتی ہے کہ کسی طرح انہیں یہاں سے زندہ سلامت رہا کروا دیا جائے' کیونکہ بسوں میں صرف ٹکٹ ہی ناقابل انتقال ہوتے ہیں' جب کہ ویگنیں تو بنی ہی عذاب قبر کی ریہرسل کے لئے ہیں اور ٹرین وہ تو دیکھنے میں ہی یوں لگتی ہے جیسے قبروں کی ایک لمبی قطار مارچ پاسٹ کرتی گزر رہی ہو۔ ایسے میں جب کسی کو موٹر سائیکل کی لگامیں تھامے' اسے سرپٹ دوڑاتا دیکھتا ہوں تو میرا سارا خون اس منظر کو دیکھنے کے لئے چہرے کے چبوترے پر اکٹھا ہو جاتا ہے۔ موٹر سائیکل بھی جوانی کی طرح ہے' یعنی اس کے آنے کا پتا چلتا ہے نہ جانے کا۔ کہتے ہیں جو موٹر سائیکل پر بیٹھ کر بھی شرارت نہ کرے' یقین کر لیں وہ بیمار ہے یا شادی شدہ۔

موٹر سائیکل کا چال چلن سیاست دانہ ہے' یعنی آپ آنکھیں بند کرکے اس پر بے اعتباری کر سکتے ہیں' مگر موٹر سائیکل میں ایک خوبی ہے جس کی خاطر اس کی ہر خامی خام خیالی خیال کی جا سکتی ہے۔ وہ ہے اس پر پیچھے بیٹھنے کے لئے سیٹ! بلکہ موٹر سائیکل بنایا ہی پچھلی سیٹ کے لئے گیا ہے اور اس پر بیٹھنے والا شخص اتنا اہم ہوتا ہے کہ اس کے ساتھ کسی اور کا بیٹھنا خلاف قانون ہے۔ اسی لئے تو حکومت نے ہر چوک میں باوردی سپاہی کھڑا کر دیا ہے جو ایسی گستاخی کرنے پر فی الفور چالان کر سکے۔

مجھے موٹر سائیکل کے پیچھے بیٹھا شخص کوئی مہاپرش لگتا ہے جو اس مشینی ہاتھی پر بیٹھ کر درشن دینے نکلا ہو' جس کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے عمارتیں برسوں سے سڑکوں کے کنارے اکڑوں بیٹھی ہوں۔ بعض تو اسے دور سے آتا دیکھنے کے لئے ایک دوسرے کے کاندھے پر چڑھی بیٹھی ہوتی ہیں' جب کہ موٹر سائیکل چلانے والا وہ مہاوت ہے جو آگے باادب ' بلاملاحظہ ہوشیار بیٹھا ڈیوٹی دے رہا ہوتا ہے۔ وہ دوسرے ڈرائیوروں سے اس

لحاظ سے مختلف ہوتا ہے کہ دوسروں کو بیٹھنے والا قیمت دیتا ہے مگر موٹر سائیکل چلانے والے کو پیچھے بیٹھنے والا قیمتی بنا دیتا ہے۔ بلکہ موٹر سائیکل کی قدر و قیمت کا اندازہ پیچھے بیٹھنے والے پر ہی ہوتا ہے' اسی لئے یہی دیکھتے ہیں کہ پیچھے کون ہے؟

کار کی سیٹ پر بیٹھتے ہی لیٹنے اور بس کی سیٹ پر سونے کو دل چاہتا ہے' لیکن موٹر سائیکل کا گدی نشین وہ چلہ کاٹ رہا ہوتا ہے جس میں ذرا سی بے توجہگی اسے موٹر سائیکل کی پیٹھ سے زمین کے پیٹ میں پہنچا سکتی ہے۔ بلکہ میرے دوست "ف" کے خیال میں موٹر سائیکل' سائیکل سے اسی لحاظ سے افضل ہے کہ سائیکل سے گرنے والے کو تو کوئی انسان بھی اٹھانے کو آگے نہیں بڑھتا' اسے خود ہی اٹھنا پڑتا ہے جب کہ موٹر سائیکل سے گرنے والے کو اٹھانے کے لئے تو فرشتے آ جاتے ہیں۔ اسی لئے جب سے اس کی شادی ہوئی ہے وہ موٹر سائیکل چلانے لگا ہے۔

میرا دوست "ف" کہتا ہے 'محبت بڑا بے زبان جذبہ ہے یعنی اظہار کے لئے زبان کا محتاج نہیں۔ کہتا ہے "میں موٹر سائیکل کے پیچھے بیٹھنے والے کے انداز سے اس کے چلانے والے کے ساتھ رشتے کا اندازہ لگا سکتا ہوں۔ اگر موٹر سائیکل کے پیچھے بیٹھی خاتون کی بجائے چلانے والا شرما رہا ہو تو سمجھ لیں وہ اس کی "اہل خانہ" ہے اور اگر وہ اس طرح بیٹھے ہوں کہ دیکھنے والے شرما رہے ہوں تو سمجھ لیں وہ "اہل کھانا" ہے۔

موٹر سائیکل کے پیچھے بیٹھنا بھی ایک فن ہے۔ خواتین منہ ایک طرف کرکے یوں بیٹھتی ہیں جیسے ابھی اترنے لگی ہوں' بلکہ بعض اوقات بیٹھی ہوئی نہیں' بٹھائی ہوئی لگتی ہیں۔ کچھ خواتین تو خوف زدہ مرغی کی طرح پروں میں کئی بچے چھپائے ہوتی ہیں' لگتا ہے سفر نہیں SUFFER کر رہی ہیں۔ چند یوں بیٹھی ہوتی ہیں جیسے چلانے والے کی کمر کی اوٹ میں نماز پڑھ رہی ہوں۔ بعض تو دور سے کپڑوں کی ایک ڈھیری سی لگتی ہیں جب تک یہ ڈھیری اتر کر چلنے نہ لگے' پتہ نہیں چلتا اس کا منہ کس طرف ہے؟ نئی نویلی دلہن نے خاوند کو پیچھے سے یوں مضبوطی سے پکڑ رکھا ہوتا ہے جیسے ابھی تک اس

پر اعتبار نہ ہو' جبکہ بوڑھی عورتوں کی گرفت بتاتی ہے کہ انہیں خود پر اعتبار نہیں۔ بچے موٹر سائیکل چلانے والے کے ساتھ اسٹکر کی طرح لگے ہوتے ہیں۔ مرد ٹانگوں پر ہاتھ دھرے یوں بیٹھے ہوتے ہیں جیسے کسی فوٹوگرافر نے انہیں "ریڈی" کہہ رکھا ہو۔ کبھی موٹر سائیکل کی پچھلی سیٹ کسی کے موٹاپے سے لبالب بھری ہوتی ہے تو کبھی اس پر کوئی ہڈیوں کی پوٹلی کی طرح پڑا ہوتا ہے۔

موٹر سائیکل بڑی جہاندیدہ سواری ہے' اگر اس پر کوئی بزرگ بیٹھا ہو تو سڑک کو یوں تفصیل سے دیکھے گی جیسے آخری بار دیکھ رہی ہو۔ اگر چلانے والا جوان ہے تو کسی گرلز کالج کے سامنے جا کر اس میں کچرا پھنس جائے گا۔ اگر کسی پروفیسر کی ہے تو چوک میں جا کر سوچنے لگے گی کہ کدھر جانا ہے؟ اور سوچتی رہ جائے گی۔ کچھ اس پر اپنی پوری "دنیا" بٹھائے پھرتے ہیں اور بعض اس پر اپنی "دنیا" ڈھونڈنے نکلے ہوتے ہیں۔

موٹر سائیکل وہ مشینی سواری ہے جس پر بیٹھ کر بھی انسان کا اپنی مٹی سے براہ راست رابطہ رہتا ہے۔ شہروں میں تو انسان نے اس مٹی کو سڑک' فرش اور قالینوں تلے دفن کر دیا ہے مگر کسی گاؤں کے سائے میں گرد کی بکل مارے لیٹا کوئی راستہ سائیکل کو آتا دیکھ لے تو وہ اٹھ اٹھ کر سوار سے گلے ملنے لگتا ہے' یہاں تک کہ سوار کسی اور سے گلے ملنے کے قابل نہیں رہتا۔

آج کا ایٹمی دور بھی تو ایک موٹر سائیکل ہی ہے جس کے بریک فیل اور رفتار تیز ہوتی جا رہی ہے۔ اس کی پچھلی سیٹ پر حضرت انسان بیٹھا ہے اور اسے پتہ بھی نہیں کہ یہ موٹر سائیکل کدھر جا رہی ہے؟ اس نے اس مسئلے کا یہ حل ڈھونڈا ہے کہ وہ چھوٹے چھوٹے مسائل دریافت اور ایجاد کرتا ہے' پھر ان کے حل میں مصروف ہو جاتا ہے تاکہ اس کا دھیان اصل مسئلے کی طرف نہ جائے۔

میرا دوست "ف" کہتا ہے جب آدمی کو گزری باتیں یاد آنے لگیں تو سمجھ لیں وہ بوڑھا ہو گیا ہے۔ شاید اسی لئے وہ قرض لے کر یاد نہیں رکھتا۔ وہ ہر وقت کم باتیں کرنے

کی حمایت میں بولتا رہتا ہے۔ کہتا ہے "اتنی باتیں عورتیں نہیں کرتیں' جتنی ان کے بارے میں کی جاتی ہیں۔" یہ درست نہ بھی ہو' پھر بھی یہ حقیقت ہے کہ باتیں کرنا وہ کام ہے جو آج کل دنیا میں سب سے زیادہ ہو رہا ہے۔ مگر موٹر سائیکل وہ جگہ ہے جہاں یہ کام سب سے کم ہوتا ہے بلکہ یہ واحد سواری ہے جس پر بندہ بیوی اور شاعر کے ساتھ بھی بلا خوف و خطر سفر کر سکتا ہے۔

موٹر سائیکل کے پیچھے بیٹھنے والے میں تمام اچھے خاوندوں والی خوبیاں ہوتی ہیں بلکہ شادی تو ڈرائیونگ سیٹ سے اٹھ کر موٹر سائیکل کی پچھلی سیٹ پر بیٹھنے کا عمل ہے۔ یعنی شادی سے قبل جو زندگی موٹر سائیکل کی بے فکری سے من چاہے رستوں پر چلاتا ہے اب پیچھے بیٹھا بیوی کے رحم و کرم پر ہوتا ہے۔ پھر بیوی خاوند کی مونس نہیں مونث ہے۔ اس کا دل چاہے تو وہ اس موٹر سائیکل کا رخ سسرالی سڑک کی طرف کر دے یا میکے کی جانب۔

جب میں کسی شخص کو سائیکل کے پیچھے بیٹھا دیکھتا ہوں جس نے اپنے جیسا انسان سائیکل میں جوت رکھا ہوتا ہے تو میرے منہ سے بددعا نکلتی ہے وہ مجھے ایک جابر بادشاہ لگتا ہے۔ مگر جب میں کسی کو موٹر سائیکل کے پیچھے آنکھیں بند کرکے چلانے والے پر اعتماد کیے بیٹھا دیکھتا ہوں تو میرے منہ سے اس کے لئے دعا نکلتی ہے کیونکہ اس سیٹ پر مجھے اپنی پوری قوم بیٹھی نظر آ رہی ہوتی ہے۔

○○○

• شیطان

ایک دن ایک اداکارہ نے مجھ سے پوچھا "اس دنیا کی رنگا رنگی اور خوبصورتی کس کے وجود سے ہے؟" یہ سوال کرکے وہ جواب بن کر سامنے بیٹھ گئی' لیکن جب میں نے کہا "شیطان کے دم قدم سے!" تو اس نے سر سے لے کر پاؤں تک مجھے یوں دیکھا جیسے میں نے کہہ دیا ہو "میری وجہ سے۔" شیطان سے میرا پہلی بار باقاعدہ تعارف اس دن ہوا جب میری ملاقات اپنے گاؤں کے مولوی صاحب سے ہوئی' میں نے ان کی کسی بات پر اختلاف کیا تو انہوں نے میرے والد صاحب سے کہا "آپ کا لڑکا بڑا شیطان ہو گیا ہے۔" انہوں نے ٹھیک ہی کہا تھا کیونکہ اس دنیا میں پہلی بار اختلاف رائے شیطان ہی نے کیا۔ یوں وہ اس دنیا میں جمہوریت کا بانی بھی ہے۔

شیطان مرد کے دماغ میں رہتا ہے اور عورت کے دل میں۔ ہر آدمی شیطان سے پناہ مانگتا ہے اور کئی لوگوں کو وہ پناہ دے بھی دیتا ہے۔ شیطان اور فرشتے میں یہ فرق ہے کہ شیطان بننے کے لئے پہلے فرشتہ ہونا ضروری ہے۔ جہاں تک شیطان کا آدم کو سجدہ نہ کرنے کا تعلق ہے' وہ سب اس کا پبلسٹی سٹنٹ تھا جس کی وجہ سے اسے شہرت ملی کہ جہاں رحمان کا نام آتا ہے وہاں اس کا ذکر ضرور ہوتا ہے۔ ورنہ اس آدم کو تو وہ آج بھی سو سو سجدے کرنے کے لئے تیار ہے۔ میں شیطان سے کبھی نہیں گھبرایا لیکن برا آدمی دیکھ کر ہی ڈر جاتا ہوں کیونکہ شیطان برا فرشتہ ہے برا انسان نہیں۔

میں جب تک بزرگوں اور نیک لوگوں کے پاس رہتا ہوں' اپنا آپ برا لگتا ہے کیونکہ جب ان کی روزانہ نیکیوں کی گنتی سنتا ہوں تو خود کو برا سمجھنے لگتا ہوں۔ یہ تو بھلا ہو شیطان کا جس کے پاس جا کر مجھ جیسا بھی نیک لگتا ہے۔ کہتے ہیں شیطان نہ ہوتا تو برا آدمی نہ ہوتا لیکن میں کہتا ہوں شیطان نہ ہوتا تو کوئی اچھا آدمی نہ ہوتا کہ شیطان سے ڈر کر تو سارے نیکیاں کرتے ہیں۔

اس دنیا میں شیطان اکیلا نہیں بلکہ رحمان اکیلا ہے۔ جب آدمی اچھا کام کرنے جا رہا ہو شیطان ساتھ ہوتا ہے اور جب برا کام کرنے جا رہا ہو تو وہ شیطان کے ساتھ ہوتا ہے۔ کہتے ہیں لاحول ولاقوہ پڑھو تو شیطان غائب ہو جاتا ہے۔ میرا دوست "ف" کہتا "کسی کو غائب کرنا کون سا مشکل کام ہے' یہ تو میرے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔" ٹھیک کہتا ہے جب وہ بایاں ہاتھ بڑھا کر ادھار مانگتا ہے تو مقابل آنکھ جھپکتے ہی غائب ہو جاتا ہے۔

شیطان کائنات کا سب سے پہلا صحافی ہے' جس نے اللہ تعالیٰ کو یہ خبر دی کہ آدم زمین پر جا کر کیا کیا کرے گا! یہی نہیں وہ پہلا وکیل بھی ہے جس نے آدم کو مشورہ دیا کہ پھل کھا لو پھر کوئی تم سے جنت کا قبضہ نہ لے سکے گا' ہمیشہ کے لئے یہیں رہو گے اور فیس مشورے میں جنت لے لی۔ اپنی غلطی تسلیم کرنا دراصل خود کو انسان ماننا ہے۔ کیونکہ وہ صرف شیطان ہے جس نے آج تک اپنی غلطی تسلیم نہیں کی شاید اسی لئے ہم بھی آج کل اپنی غلطی نہیں مانتے۔

جھوٹ کے پاؤں نہیں پہئے ہوتے ہیں' مگر سچ کے پاؤں تو ہوتے ہیں مگر سر نہیں ہوتا۔ اس دنیا کا پہلا سچ شیطان نے بولا جو یہ تھا کہ آدم زمین پر جا کر فساد برپا کرے گا۔ کہتے ہیں اکیلے آدمی کے ساتھ دوسرا شیطان ہوتا ہے۔ اسی لئے میں ساتھ ہوں' تو "ف" کہنے لگتا ہے "وہ خود کو اکیلا محسوس کر رہا ہے۔"

اس دنیا کا پورا نظام شیطان کی وجہ سے چل رہا ہے' اگر شیطان نہ رہے تو کوئی انسان نہ رہے' سب فرشتے ہو جائیں۔ ہمیں انسان رہنے کے لئے شیطان چاہیے۔ وہ نہ ہوتا تو مولویوں اور واعظوں کے بچے بھوکے مر جاتے کہ یہی تو ان کا ذریعہ روزگار ہے۔ شیطان نہ ہو تو وہ کس کے خلاف تقریریں کریں یہ سارے حسن کے بازار' رقص و موسیقی کی محفلیں اسی کے دم قدم سے تو ہیں' یہی نہیں عبادت گاہیں بھی اسی سے پناہ مانگنے کے لئے ہیں۔ وہ نہ ہوتا تو کوئی سیاست دان اور شاعر نہ ہوتا۔ عورت کا تو کوئی کام ہی نہ رہ جاتا۔ کہتے ہیں عورت زمین پر شیطان کی ایجنٹ ہے۔ یہ ٹھیک لگتا

ہے کیونکہ شیطان بھی تو مذکر ہی ہے۔

شیطان سب سے اچھا فرشتہ تھا مگر برا تب بنا جب وہ بول پڑا' اسی لئے پیدا ہونے والے بچے فرشتے ہوتے ہیں کیونکہ انہیں بولنا نہیں آتا اور جونہی وہ فرافر بولنے لگتے ہیں ماں باپ کہتے ہیں یہ شیطان ہو گئے ہیں۔

انسان اور جانور میں یہی فرق ہے کہ بندے کے پاس شیطان ہے اور جانوروں کے پاس رحمان تو ہے مگر شیطان نہیں۔ شیطان نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے ورنہ تو وہ ایک سماجی جانور ہے۔ جس دن جانوروں کو یہ شعور مل گیا کہ ایک شیطان کی راہ ہے اور ایک رحمان کی۔ اپنی مرضی سے جو چاہو چن لو' اسی دن جانور بھی اشرف المخلوقات میں سے ہو جائیں گے۔ "ف" کہتا ہے "جانور تو سگریٹ بھی نہیں پیتے' جھوٹ بھی نہیں بولتے' وہ اشرف المخلوقات کیسے بن سکتے ہیں؟"

اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ بندوں پر کتابیں اتاریں' کچھ ادیبوں کی کتابیں پڑھ کر تو لگتا ہے شیطان نے بھی اپنے برگزیدہ بندوں پر کتابیں اتاری ہیں۔ شیطان کی عمر کیا ہے؟ وہ بوڑھا ہے یا ادھیڑ عمر! میں نہیں جانتا لیکن اتنا پتہ ہے کہ اسے وہ سب پسند ہے جو صرف جوانی میں ہی پسند کیا جا سکتا ہے۔

وہ جگہیں جہاں صرف خدا کو یاد کیا جاتا ہے' وہ ویگنیں یا بسیں ہیں ورنہ عبادت گاہوں میں تو زیادہ تر شیطان ہی کے بارے میں تلقین ہوتی ہے۔ بڑے بوڑھے بچوں کو ابتدا ہی سے شیطان سے ڈرانا شروع کر دیتے ہیں تاکہ وہ ان کا ادب کرتے رہیں۔

میرا دوست "ف" کسی اداکارہ کو برتھ ڈے پر بھی برتھ ڈے سوٹ میں دیکھ لے تو شیطان کو برا بھلا کہنے لگتا ہے اور آج کل وہ دن رات شیطان کو برا بھلا کہنے کے مواقع ڈھونڈتا رہتا ہے۔ ویسے اگر شیطان نہ ہوتا تو اردو ادب کو بڑا نقصان پہنچتا' ڈاکٹر شفیق الرحمان مزاح نگار کیسے بنتے!

شیطان انسان کا دوست ہے یا دشمن ' اس کا تو پتہ نہیں۔ اتنا پتہ ہے کہ دوست اپنی برائی آپ کے نام لگا کر خود بری الذمہ ہو جاتے ہیں جبکہ آپ برائی کرکے شیطان کو

برائی الذمہ کرتے ہیں۔ ہمارے ہاں مولوی حضرات ہمیں دنیا میں ہر اس چیز سے منع کرتے ہیں جسے حاصل کرنے کے لئے ہی وہ جنت میں جانا چاہتے ہیں' حالانکہ جنت اور دنیا کا بڑا فرق ہی یہ ہے کہ جنت میں شیطان نہ ہو گا۔

شیطان کی سب سے بڑی بدقسمتی یہ ہے کہ اسے موت نہیں آتی' ورنہ وہ اتنا شیطان نہ ہوتا۔ پہلے اس نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کیا تو شیطان بنا' اب اسے شیطان رہنے کے لئے آدم کو روز سجدہ کرنا پڑتا ہے۔

جس دن انسان نے پہلی بار کسی دوسرے کی دھڑکن سنی اور اس نے چاہا کہ یہ آواز دوسروں کو سنائے تو اس نے ڈھول بنایا۔ پچھلے ہفتے میں اپنے گاؤں گیا تو ڈھول کی دھڑکن گاؤں کے سینے میں صاف سنائی دے رہی تھی۔ لوگوں نے ایک پہلوان کو کاندھوں پر اٹھا رکھا تھا اور دنگل جیتنے کی خوشی میں اس کے گلے میں ہار ڈال رہے تھے۔ جو یہ دنگل ہارا تھا' سر جھکائے پیچھے پیچھے آ رہا تھا۔ مجھے عجیب سالگا کہ کاندھوں پر تو اسے اٹھانا چاہیے جس کی وجہ سے سب کو یہ خوشی نصیب ہوئی۔ اگر وہ نہ ہوتا تو جسے سب لوگوں نے کاندھے پر اٹھا رکھا تھا' کوئی آنکھ اٹھا کر نہ دیکھتا۔ آج انسان اشرف المخلوقات ہے' اسے اگر تمام مخلوقات نے اس رتبے کی وجہ سے کاندھوں پر بٹھایا ہے تو صرف اس لئے کہ یہ شیطان سے دنگل جیتتا رہتا ہے۔ اس لئے شیطان کی سلامتی کی دعا مانگنا چاہیے کیونکہ اس کی سلامتی کی دعا ہماری بلند قامتی کی دعا ہے۔

○○○

• "آئی لو یو" کہنا

اس دنیا میں محبت پہلے آئی اور انسان بعد میں۔ شاید اسی لئے وہ بچہ جس کی عمر اس دنیا میں ایک دن ہوتی ہے' وہ جس محبت کا نتیجہ ہوتا ہے' اس کی عمر مہینوں میں ہوتی ہے بلکہ لفظ محبت کی تصویر بناؤ تو جو تصویر بنے گی وہ یقیناً کسی بچے کی ہو گی۔ یوں بھی بچے کا پیدا ہونا دراصل اللہ کا دنیا والوں کو "آئی لو یو" کہنا ہی ہے کیونکہ جس دن اسے اہل دنیا سے محبت نہ رہی پھر یہاں کوئی بچہ نہیں آئے گا۔ لیکن میرا دوست "ف" کہتا ہے "جب محبت شروع ہوئی اس وقت بچہ کہاں تھا؟" پہلی محبت حوا سے ہوئی تھی اور آخری بھی اسی سے ہو گی۔ محبت اور عورت لازم و ملزوم ہیں۔ یہی نہیں دنیا میں سب سے پہلا مکمل فقرہ جو بولا گیا وہ جس زبان میں بھی تھا وہ "آئی لو یو؟" ہی تھا' وہ حوا ہی کے لے بولا گیا تھا' کیونکہ عورت سے پہلے تو دنیا میں مکمل خاموشی تھی۔

لفظ انسان کی سب سے بڑی ایجاد ہے۔ جس کام کے لئے جانور دم ہلاتا ہے' یہ زبان ہلاتا ہے۔ جب انسان جنگل میں تھا وہ "آئی لو یو" کہنے کی بجائے کرتا تھا مادہ کے لئے خوراک لاتا' اس کے سامنے عجیب عجیب حرکتیں کرکے یہ اظہار کرتا' جب اسے یہ کام مشکل لگا تو اس نے سوچا "کھل جا سم سم" کی طرح ایسا اسم اعظم ہونا چاہیے جس سے عورت کے دل کا دروازہ کھل جائے تو اس نے یہ فقرہ ایجاد کیا۔ اس دنیا کی آدھی ترقی اس فقرے کو بولنے کی وجہ سے ہوئی ہے اور باقی آدھی اسے نہ بولنے کی وجہ سے۔ "آئی لو یو" وہ چراغ ہے جسے رگڑنے سے بندہ خود الہ دین کا جن بن جاتا ہے اور کسی مالک کو حاضر کرکے اس کا حکم مانتا ہے۔

دنیا میں وہ لفظ جسے کہنا بیک وقت سب سے آسان اور سب سے مشکل ہے وہ "آئی

لو یو" ہی ہے۔ تاریخ میں وہ لوگ جو حکمران 'دوست 'باپ'بھائی'خاوند غرضیکہ ہر حیثیت میں عظیم رہے' وہ بھی بحیثیت عاشق بے حیثیت ہیں۔ "ق" کہتا ہے "اس لئے کوئی آدمی بڑا لور نہیں بنا کہ بڑا لور کبھی بڑا آدمی نہیں بنا۔ یہ غلط ہے کیونکہ وہ ان بڑے آدمیوں کا ذکر کر رہا ہے جن کے نام سکولوں ' کالجوں میں طلبا کو مار مار کر یاد کرائے جاتے ہیں۔ جبکہ عاشق کا ذکر کسی نصاب میں نہیں ہوتا مگر وہ چاہیے ملکی لیول کی بجائے محلہ لیول کا ہی کیوں نہ ہو' اس کا نام سب کی زبان پر ہوتا ہے۔ کیونکہ بڑے آدمی دماغ میں رہتے ہیں تو عاشق دل میں۔

محبت اس سے ہوتی ہے جس کی خامیاں بھی اچھی لگیں اور شادی اس سے جس کی خوبیاں اچھی لگیں۔ شادی میں ایک اور ایک ملتے ہیں تو گیارہ ہو جاتے ہیں۔ اگر منصوبہ بندی والوں کی نظر نہ پڑے تو زیادہ بھی ہو سکتے ہیں جبکہ محبت میں دو مل کر ایک ہوتے ہیں۔

محبت انسان ہمیشہ اپنے جیسے سے کرتا ہے' یعنی جو بری عورت سے محبت کرتا ہے وہ اچھا آدمی نہیں ہو سکتا' اور جو برے آدمی سے محبت کرتی ہے وہ ماں کے علاوہ کوئی اور نہیں ہو سکتی۔ ماں اور محبوبہ میں یہ فرق ہے کہ ماں چلنا اور بولنا سکھاتی ہے اور محبوبہ رکنا اور چپ رہنا۔ محبت میں عورتوں نے بڑی بڑی بے وقوفیاں کی ہوں گی مگر وہ اس سے کہیں کم ہیں جو شاعروں نے محبت کے بارے میں اپنے شعروں میں کی ہیں۔

کہتے ہیں محبت اس سے ہوتی ہے جو خوبصورت ہوں حالانکہ خوبصورت وہ ہوتا ہے جس سے محبت ہو۔ جس نے ایک بار بھی "آئی لو یو" نہیں کہا وہ قابل اعتبار نہیں اور جس نے بار بار یہ فقرہ کہا وہ بھی قابل اعتبار نہیں۔ یہ کاغذ کی بجائے زمین پر لکھا جائے تو اسے تاج محل کہتے ہیں' درخت سے اسے اپنی شاخوں پر لکھ دیں تو یہ پھول کہلاتا ہے اور پھول "آئی لو یو" پکاریں تو اسے خوشبو کا نام دیتے ہیں۔

میرا دوست "ق" کہتا ہے "میں کئی بار محبت میں مبتلا ہوا اور ہر بار صحت یاب ہو گیا" کہتا ہے "محبت اندھی ہوتی ہے" اس کی محبوبہ دیکھ لو تو اس کی بات کا یقین بھی

آ جاتا ہے۔

جو صرف دوسروں سے محبت کرتا ہے وہ ہر گز محبت نہیں کرتا۔ "آئی لو یو" صرف وہ شخص کہہ سکتا ہے جس نے ٹوٹ کر خود کو چاہا ہو۔ یہ کہنا آسان نہیں، شاعر یہ ایک فقرہ کہنے کے لئے پورا دیوان لکھ دیتے ہیں، مگر پھر بھی نہیں کہہ پاتے۔

محبت میں جب آدمی محبوب کی تعریف کرتا ہے تو دراصل وہ اپنی تعریف کرتا ہے کہ میں نے کتنا اچھا انتخاب کیا۔ "ف" کہتا ہے "محبت اس سے ہوتی ہے جسے آپ یوں ہی دیکھیں جیسے خود کو دیکھتے ہیں۔"

دنیا میں ایک خوبصورت عورت مرد کو کئی عورتوں سے بچا لیتی ہے لیکن کسی ایک عورت سے محبت کرنے کی بجائے تمام عورتوں سے محبت کرنا آسان ہے۔ بہر حال آدمی کو محبت کرنا چاہیے، چاہے اس کے لئے اسے شوہر ہی کیوں نہ بننا پڑے۔

اس دنیا کے آدھے جھوٹ خاوند بولتے ہیں اور باقی آدھے سنتے ہیں لیکن اس دنیا میں بولنے کے لئے جو فقرہ سب سے زیادہ استعمال کیا گیا ہے وہ ہے "آئی لو یو۔"

محبت میں کامیابی کے لئے عورت کو چاہیے کہ مرد کو زیادہ سے زیادہ سمجھے اور کم سے کم پیار کرے اور مرد کو چاہیے کہ عورت کو زیادہ سے زیادہ پیار کرے اور کم سے کم سمجھنے کی کوشش کرے۔ مرد اس سے پیار کرتا ہے جس کے بارے میں اچھی رائے رکھتا ہو اور عورت اس سے پیار کرتی ہے جو اس کے بارے میں اچھی رائے رکھتا ہو۔

کوئی عورت اس وقت تک مرد سے پیار نہیں کر سکتی جب تک وہ اسے اس سے کئی گناہ زیادہ خوبیوں والا نہ سمجھے جتنا کہ وہ ہوتا ہے اور کوئی مرد اس وقت تک کسی عورت سے محبت نہیں کر سکتا جب تک وہ اسے اس سے کئی گناہ کم خامیوں والی نہ سمجھے جتنی کہ وہ ہوتی ہے۔

کسی مغربی مفکر نے کیا خوب کہا ہے کہ کون کہتا ہے محبت کوئی سائنس دان لیبارٹری میں پیدا نہیں کر سکتا۔ محبت لیبارٹری میں پیدا ہو سکتی ہے بشرطیکہ لیبارٹری اسسٹنٹ واقعی پیاری ہو۔ کہتے ہیں آج کل بے لوث محبت کرنے والا نہیں ملتا، یہ غلط ہے وہ تو آپ

کو ہر گلی اور سڑک پر مل جائے گا جو آپ کی محبت میں جان تک قربان کر سکتا ہے' مگر اس کی اس لئے قدر نہیں ہوتی کہ وہ دم ہلا کے پاؤں میں تو لوٹ سکتا ہے' زبان ہلا کر "آئی لو یو" کہہ کر دل نہیں لوٹ سکتا۔